بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا (الحجرات)

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔

امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب دام مجدہم کے قلمی تضادات

یا

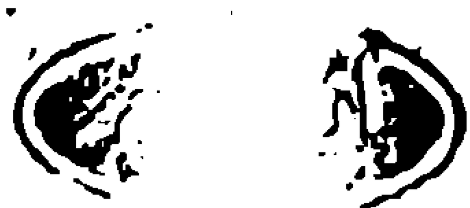
مخالفین کے گمراہ کن دھوکے اور بے بنیاد اعتراضات

اظہار الغرور

فی کتاب

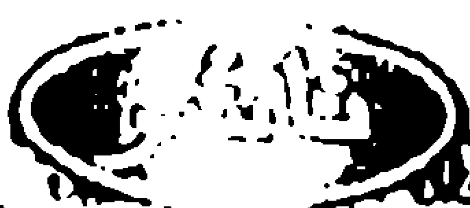
آئینہ تسکین الصدور

اس کتاب میں منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام فی القبور کی جانب سے شائع کردہ کتاب "آئینہ تسکین الصدور" "مصنفہ مولوی شیر محمد صاحب جھنگوی" میں بیان کردہ مصنف کے گمراہ کن دھوکوں اور بے بنیاد و بوگس اعتراضات کو نمایاں کیا گیا ہے اور ان کے تفصیلی جوابات دیئے گئے ہیں۔



حافظ عبد القدوس قارن

مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ



عمر اکادمی

نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

Umar4u_umar@yahoo.com 03006447231 عمر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا حافظ عبدالقدوس خان قارن مدظلہم

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مرحوم نے ''حیات النبی ﷺ'' پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ''تسکین الصدور'' ہے۔ یہ کتاب اس مجموعہ میں بھی شامل ہے۔ اس کتاب پر مولانا سید محمد حسین نیلوی نے ''ندائے حق'' میں نقد قائم کیا جس کا جواب ''سماع موتی''، ''الشہاب المبین'' میں خود شیخ الحدیث مرحوم نے دیا۔ جھنگ کے مولانا شیر محمد صاحب جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے رہنما نے ''آئینہ تسکین الصدور'' اور ''کشف الستر'' نامی دو کتابوں میں ''تسکین الصدور'' کا جواب لکھا۔ اسی طرح مولانا شہاب الدین خالدی رہنماء اشاعۃ التوحید والسنۃ نے ''عقائد علماء اسلام'' کے نام سے کتاب لکھی اس میں انہوں نے ''تسکین الصدور'' پر ردّ کیا۔ ان تینوں کتابوں کے جواب میں حضرت مولانا عبدالقدوس قارن نے قلم اٹھایا اور کتاب لکھی جس کا ''اظہار الغرور فی کتاب آئینہ تسکین الصدور'' نام رکھا۔ بظاہر تو انہوں نے آئینہ تسکین الصدور کا جواب لکھا۔ لیکن کشف الستر اور عقائد علماء اسلام کا بھی اپنے اپنے مقام پر جواب دے دیا۔ مولانا قارن صاحب کی یہ کتاب خالصۂ ان دو حضرات کی تین کتابوں کا جواب ہے جو خالصۂ فنی اور تحقیقی ہے اور علماء کے لئے بڑے پتہ کی چیز ہے۔ ہم مولانا قارن صاحب کی اس کتاب ''اظہار الغرور فی کتاب آئینہ تسکین الصدور'' کو بھی اس مجموعہ میں شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی خصوصی تائید سے امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام دشمن طاقتوں، عیسائیوں، قادیانیوں، رافضیوں اور منکرین حدیث کے خلاف باحوالہ مدلل کتابیں تصنیف فرمانے کے ساتھ ساتھ جمہور اہل سنت سے اختلاف رکھنے والے اہل بدعت، غیر مقلدین اور قبور میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا انکار کرنے والوں کے نظریات کا بھی باحوالہ مدلل انداز میں رد فرما کر جمہور اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کا حق ادا کیا اور ان کی علمی تحقیقی تصنیفی خدمات کے اعتراف کا ہی نتیجہ تھا کہ اپنے دور کے علمی آسمانوں:

☆...... فقیہ کامل محدث جلیل حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ
☆...... حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ
☆...... بطل حریت حضرت مولانا سید گل بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ
☆...... پیر طریقت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ
☆...... مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
☆...... اور قائد جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

وغیرہم نے جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کی جانب سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب لکھنے کی درخواست کی اور کتاب مکمل ہو جانے کے بعد علما اسلام کے اجلاس خیر المدارس میں اس کو سنایا گیا اور متفقہ طور پر اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا۔ پھر تسکین الصدور کے شائع ہو جانے کے بعد جب دیگر علماء حضرات کو کتاب بھیجی گئی تو:

☆...... منبع العلوم نمونہ سلف حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
☆...... صدر المعلمین حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند
☆...... غزالی دوراں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند
☆...... رئیس المحققین حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
☆...... ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
☆...... شیخ التفسیر حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ
☆...... عمدۃ الفقہاء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
☆...... زبدۃ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
☆...... امام الفضلاء حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک

☆ ...... سید العلماء حضرت مولانا عبدالخالق صاحب خلیفہ مجاز حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ

☆ ...... شیخ الاتقیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کندیاں

☆ ...... مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کراچی

☆ ...... امام المناظرین حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ

☆ ...... جامع العلوم النقلیہ والفنون العقلیہ حضرت مولانا مفتی احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرگودھا

☆ ...... مجاہد جلیل حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ گجرات

جیسے حضرات نے بہترین انداز میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس خدمت کو خراج تحسین پیش کیا اور انتہائی قیمتی تقریظات اس پر تحریر فرمائیں۔ علم اور مسلک کے ان قدردانوں نے تو تسکین الصدور تصنیف فرمانے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مبارکبادیں دیں اور حوصلہ افزائی فرمائی مگر مخالفین نے بے جا مخالفت کا طوفان بپا کر دیا۔

تسکین الصدور میں پیش کئے گئے دلائل کا جواب تو مخالفین کے پاس نہیں تھا۔ اسی لئے ادھوری عبارات پیش کر کے عبارت کے خود ساختہ مفہوم لے کر عبارات سے ایک آدھ لفظ گرا کر اصل عبارت کے خلاف مفہوم بنا کر محدثین کے مختلف قواعد کو اپنے اپنے موقع ومحل میں استعمال کرنے کو تضاد کا نام دے کر اور راوی کی حیثیت کے مطابق روایت کو قبول کرنے یا نہ کرنے یا کسی درجہ میں قبول کرنے میں قواعد محدثین کے مطابق انداز استعمال کرنے کو اپنے اصول کی خلاف ورزی کا طعن دے کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور ان کی تصنیف تسکین الصدور و سماع الموتی کو مجروح کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور ان لوگوں نے صرف کیا۔ مگر عصائے موسوی کے مقابل جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں اور مہکتے پھولوں سے توجہ ہٹانے کے لئے کاغذی پھول پیش کرنے کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔

تسکین الصدور اور سماع موتی کے خلاف جو کتابیں طبع ہو کر مارکیٹ میں آئیں ان میں علامہ نیلوی صاحب کی ندائے حق، مولوی شیر محمد صاحب جھنگوی کی آئینہ تسکین الصدور اور کشف الستر مولوی شہاب الدین خالدی صاحب کی عقائد علماء اور مولوی خان بادشاہ کی خرافات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان تمام میں وہی انداز اختیار کیا گیا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا اور اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں قارئین کرام بخوبی جان لیں گے۔ غالباً ۱۹۸۸ء میں آئینہ تسکین الصدور طبع اوّل کا مطالعہ کیا۔ کچھ دوستوں نے اس کے جواب کی فرمائش کی مگر یہ خیال کر کے کہ اس میں علم کی کوئی بات تو ہے نہیں صرف دھوکہ دہی سے کام لیا گیا ہے تو اس کے جواب کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اہل علم اس کے مطالعہ سے اس کی حقیقت خوب جان سکتے ہیں۔

اسی لئے ہم نے جب غیر مقلد عالم جناب ارشاد الحق اثری صاحب کی کتاب ''مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں'' کا جواب لکھا جو مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری صاحب کا ''مجذوبانہ واویلا'' کے نام سے شائع ہوا، اس میں ہم نے آئینہ تسکین الصدور پر دیانتداری کے ساتھ چند جملوں میں تبصرہ کر دیا تھا کہ اس میں بغیر ضد تخرب، تعصب اور سطحیت کے اور کچھ نہیں ہے اور نہ اہل علم کو اس سے کوئی شبہ پڑ سکتا ہے اور نہ اس کے جواب

اور رد کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اکثر مواد علامہ نیلوی صاحب کی کتاب ندائے حق سے لیا ہے اور اس کا جواب حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب ڈیروی نے قہر حق میں دے دیا ہے۔ (مجذوبانہ واویلا ص ۱۶ طبع اوّل)

ہمارے اس تبصرہ سے مولف آئینہ تسکین الصدور اور اس کا پرچار کرنے والوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں تھیں اور ہمیں اس مختصر تبصرہ کی تفصیلات منظر عام پر لانے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر ان حضرات نے اپنے مخصوص آلہ کار حضرات کے ذریعہ سے مدارس کے طلباء اور دیگر لوگوں کے ذہنوں کو تشویش میں ڈالنے کی خاطر اس کتاب کی بے جا اہمیت ظاہر کرنا شروع کر دی کہ یہ کتاب لاجواب ہے۔ اس کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ پھر ان حضرات کے مختلف انداز سے للکارے بھی بڑھنے لگے۔ یہاں تک آئینہ تسکین الصدور طبع دوم کے ناشرین نے اس کا تعارف یوں کرایا۔ الحمدللہ تعالیٰ کتاب آئینہ تسکین الصدور طویل عرصہ کے بعد ایک مرتبہ پھر پورے رعب اور چیلنج کے ساتھ منظر عام پر آ چکی ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۳)

ان حالات میں احباب کا اصرار بڑھتا گیا کہ اس کا جواب ضرور آنا چاہئے تو ہم نے آئینہ تسکین الصدور پر کئے گئے اپنے مختصر تبصرہ کی تفصیلات اور مولف موصوف کے ہاتھ کے جادوانہ نظر بندی کرنے والے کرتب سے عوام الناس کو آگاہ کرنے کے لئے مجبوراً یہ قدم اٹھایا۔

اور آئینہ تسکین الصدور اور کشف الستر سے پردہ چاک کر کے ان کی اصلیت قائین کرام کے سامنے پیش کر دی ہے۔ اپنی اس تحریر کے دوران ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ قلم رک گیا اور زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ واہ مولا تیری قدرت کہ اپنے دور کے علمی آسمانوں اور ارباب بصیرت کو تو نے تسکین الصدور اور سماع الموتی کی حمایت اور تائید میں جمع فرمایا اور ان کی تردید و مخالفت کے لئے علامہ نیلوی صاحب، مولوی شیر محمد صاحب، مولوی شہاب الدین خالدی صاحب اور مولوی خان بادشاہ صاحب جیسے لوگوں کے ہاتھ میں قلم تھما دیا۔ سبحان تیری شان!

ہماری اس تحریر ''اظہار الغرور فی کتاب آئینہ تسکین الصدور'' کی کمپوزنگ ہو چکی تھی۔ اس دوران ہمیں مولوی شہاب الدین خالد صاحب کی کتاب عقائد علماء اسلام دیکھنے کا موقع ملا۔ اس میں انہوں نے اکثر مواد اور انداز آئینہ تسکین الصدور سے ہی لیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے بزعم خود امام اہل سنت حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس چیلنج کا جواب دینے کی بھی ناکام کوشش کی ہے جو حضرت نے تسکین الصدور میں فرمایا تھا کہ ''۴۷ ۱۳ھ سے پہلے اہل السنت والجماعت میں سے کسی معتبر عالم کا کوئی صریح قول کسی بھی کتاب سے دکھا دیں کہ اس نے انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حیات کا انکار کیا ہو اور کہا ہو کہ آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کو نہیں سنتے۔'' ہم نے ان کی کتاب کے باقی حصہ پر تبصرہ کا حق محفوظ رکھتے ہوئے سردست ان کے اس جواب چیلنج پر تبصرہ بھی اس کتاب میں کر دیا ہے جو قارئین کرام کے لئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا۔

مخالفین کے بے جا طعن

پہلا طعن: تسکین الصدور اور سماع الموتی کے مخالفین مختلف انداز میں بے جا طعن کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کہتے

ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کی پہلی کتابیں بریلویوں کے خلاف عمدہ تھیں۔ مگر تسکین الصدور اور سماع الموتی لکھ کر انہوں نے اس کے خلاف کیا۔ جیسا کہ مولوی خان بادشاہ لکھتے ہیں اور ابھی میں مولوی محمد سرفراز کے افتراء ذکر کرتا ہوں اور یہ موحد آدمی تھا اور بریلویوں پر بہترین تردید کرتے تھے۔ لیکن جب اکابر اشاعۃ التوحید والسنۃ سے مخالف ہوا تو ابھی بریلویوں کا امدادی بنا۔ گویا کہ اپنے پرانے تصنیفات کی تردید کرتے ہیں۔ (المسامیر النار یہ مع المسامیز الحدید ص ۲۱۲)

یہ ان حضرات کا بے جا طعن اور غلط پروپیگنڈہ ہے۔ اس لئے کہ تسکین الصدور اور سماع الموتی میں قبور میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور ان کے عند القبر صلوٰۃ وسلام سننے اور دور سے فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچائے جانے کا مسئلہ۔ قبر میں جسم کا راحت یا عذاب میں روح کے ساتھ شریک ہونے کا مسئلہ۔ عرض اعمال اور استشفاع عند القبر کا مسئلہ، تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور یہی مسائل اجمالاً ان کتابوں میں موجود ہیں جن کو یہ حضرات بریلویوں پر بہترین تردید قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے عند القبر صلوٰۃ وسلام سننے اور دور سے فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچانے کا مسئلہ آنکھوں کی ٹھنڈک میں موجود ہے۔

عرض اعمال کا مسئلہ ازالۃ الریب میں اور استشفاع عند القبر کا مسئلہ باب جنت میں موجود ہے اور یہ سب کتابیں تسکین الصدور اور سماع الموتی سے پہلے کی تصانیف ہیں۔ اس لئے ان مخالفین کا یہ طعن بالکل باطل ہے کہ اکابر اشاعۃ التوحید والسنۃ سے اختلاف کے بعد حضرت رحمہ اللہ کا نظریہ بدل گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے لوگ تسکین الصدور اور سماع الموتی کی اشاعت سے پہلے ان مسائل کی حمایت کرتے تھے اور ان مسائل کے ان کتابوں میں ہونے پر ان کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ مگر تسکین الصدور اور سماع الموتی کی اشاعۃ کے بعد تعصب، تحزب اور ضد کی وجہ سے مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تو تبدیلی اشاعت التوحید والوں میں آئی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ تو بفضلہٖ تعالیٰ پہلے بھی موحد تھے اور اب بھی ہیں اور اپنے نظریہ پر قائم ودائم ہیں۔

<u>دوسرا طعن</u>: مخالفین کبھی یہ انداز اختیار کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کی کتابیں بریلویوں کے خلاف بہترین تھیں تو ان کو کیا ضرورت تھی کہ تسکین الصدور اور سماع الموتی لکھنے کے لئے قلم اٹھا لیا۔ مخالفین کا یہ طعن بھی باطل ہے۔ اس لئے کہ جیسے اہل بدعت میں سے بہت سے حضرات کو راہ سنت اور آنکھوں کی ٹھنڈک وغیرہ کتابیں پڑھ کر اللہ تعالیٰ نے راہ راست پر آنے کی توفیق دی۔ اسی طرح بہت سے اہل بدعت جو اموات کے دور دراز سے پکار سن لینے کا نظریہ رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کے مطالعہ سے ان کو ہدایت سے نوازا۔ ان کتابوں سے بھی اہل بدعت کی تردید ہی ہوتی ہے اور آگے ہم نے باحوالہ لکھا ہے کہ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے بریلویوں کے خلاف مناظرہ میں حدیث: ''من صلی علیّ عند قبری سمعتہ'' پڑھی جو اس بات کی دلیل ہے کہ عند القبر سماع والی روایات سے بریلویوں کی تائید نہیں بلکہ بھرپور انداز میں تردید ہوتی ہے۔

<u>تیسرا طعن</u>: جب مخالفین تسکین الصدور اور سماع الموتی میں پیش کردہ دلائل کا سامنے کرنے سے عاجز اور قاصر رہے تو انہوں نے ان کتابوں کی قدر ومنزلت گرانے کے لئے یوں طعن دینا شروع کر دیا کہ فلاں مقام میں

ایک راوی کو ضعیف کہا ہے اور ان کتابوں میں اس سے دلیل پکڑی ہے۔ فلاں مقام میں فلاں روایت کو ضعیف کہا اور ان کتابوں میں اسی حدیث کو دلیل بنایا اور پھر ان لوگوں نے عبارات کا خود ساختہ مفہوم لے کر بعض عبارات کا تعارض پیش کیا۔ حالانکہ یہ ان حضرات کی حضرات محدثین کرام کے قواعد سے لاعلمی اور اسلوب تحریر سے بے خبری اور تعارض کی تعریف و شرائط سے غفلت کا نتیجہ ہے، جس کی تفصیل آگے قارئین کرام ملاحظہ فرمالیں گے۔

چوتھا طعن: عوام الناس کو مغالطہ دینے کے لئے بعض مخالفین یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ حیات النبی ﷺ اور سماع الموتی کا مسئلہ لکھ کر مولانا صفدر صاحب نے اختلاف کا دروازہ کھولا۔ حالانکہ یہ بھی بالکل باطل ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ اختلاف کا دروازہ گجرات کے سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے کھولا تھا جس کو بند کرنے کے لئے پاکستانی علماء کی ان تھک کوششوں کے ساتھ ساتھ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ان علماء کی کوششوں کے باوجود حضرت سید عنایت اللہ شاہ بخاری صاحب گجراتی نے اختلاف کا دروازہ بند کرنے کی تمام کوششوں کو پس پشت ڈال دیا اور پھر خطیبوں اور واعظوں کے سہارے اس اختلاف کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر بنانے کی خدمت آخر عمر تک سرانجام دیتے رہے۔

مخالفین پر حیرانگی

مخالفین پر حیرانگی ہوتی ہے کہ جن شخصیات کا نظریہ حیات النبی ﷺ اور سماع الموتی کے بارہ میں بالکل واضح ہے۔ ان شخصیات کی بعض مبہم عبارات کا خود ساختہ مفہوم لے کر دلیل میں پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ حضرت نانوتوی، حضرت علامہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مدنی اور حضرت شیخ الہند رحمہم اللہ کا نظریہ ان مسائل میں کس سے اوجھل ہے۔ حضرت نانوتوی کی آب حیات اور اجوبہ اربعین اور حضرت گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ، حضرت علامہ کشمیری کے فیض الباری میں بیان کردہ نظریہ اور باقی حضرات کے ''المهند علی المفند'' پر دستخط اور دیگر تحریرات میں نظریہ کی وضاحت کے باوجود ان حضرات کی بعض عبارات کے خود ساختہ مفہوم لے کر عوام الناس کو مغالطہ دینا ان حضرات کا طرۂ امتیاز ہے۔

یہی نہیں بلکہ یہ حضرات سواتی برادران (حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی رحمہ اللہ) کو پوری دنیا میں حیات النبی ﷺ اور سماع الموتی کا پرچار کرنے والوں میں صف اوّل میں شامل کرنے اور ان کو اپنا سب سے بڑا مخالف ماننے کے باوجود حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کی بعض عبارات کا خود ساختہ مفہوم لے کر اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کرنے سے بھی خوف خدا نہیں رکھتے۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ کسی کی عبارت کا مفہوم اس کی واضح عبارات میں بیان کئے گئے مفہوم کے مطابق لیا جاتا ہے۔ اگر ان حضرات کے پاس اپنے نظریہ کی تائید اور تسکین الصدور اور سماع الموتی کی تردید میں کوئی ٹھوس دلیل ہوتی تو وہ ایسا انداز ہرگز اختیار نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ تعصب سے ہر مسلمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

حافظ عبدالقدوس خان قارن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم۔ امابعد!

قارئین کرام! ہم نے ابتدائیہ میں اپنی اس کتاب کی تحریر کی وجہ بیان کر دی ہے کہ ہم نے یہ قدم بامر مجبوری اٹھایا ہے۔ اس لئے کہ آئینہ تسکین الصدور کے مصنف مولوی شیر محمد صاحب نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے جس ظالمانہ انداز سے ادھوری عبارات پیش کر کے اور اپنی مرضی سے عبارات کے خود ساختہ مفہوم اور عبارات سے الفاظ چھوڑ کر اپنا من پسند مفہوم لے کر طعن کا دروازہ کھولا اس سے عوام الناس کو آگاہ کرنا ہماری مجبوری بن گئی تھی کہ ہم عوام الناس کے سامنے ظاہر کریں کہ مولف موصوف نے کس انداز سے ہیر پھیر سے اپنی کتاب کا پیٹ بھرا ہے اور اوّل سے آخر تک کیسے کیسے پینترے بدل کر دھوکے دینے کی کوشش کی ہے۔ جب ان کی کتاب میں اوّل سے آخر تک دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ تو ہم نے بھی عنوان دھوکہ ہی رکھا اور ترتیب وار ان کے دھوکے نمایاں کئے جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں قارئین کرام خود ملاحظہ فرمالیں گے۔

دھوکہ نمبر ۱: {مولف آئینہ تسکین الصدور نے یہ کہہ کر دھوکہ دیا کہ مولانا صفدر صاحب نے قاعدہ لکھا کہ خبر واحد صحیح سے بھی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا مگر خود حیات النبی ﷺ کے عقیدہ میں ضعیف احادیث کو مدار بنایا۔}

آئینہ تسکین الصدور کے مولف مولوی شیر محمد صاحب اپنی کتاب کی ابتداء ہی اس سے کرتے ہیں کہ ”مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر کو چاہئے تھا کہ اپنے اصول وقواعد کے پابند رہتے ہوئے اور ان کا پاس رکھتے ہوئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات دنیویہ حقیقیہ جسمانیہ عنصریہ حسیہ فی القبور المحفورۃ فی الارض کے عقیدہ پر کوئی آیت قرآنی یا حدیث متواتر پیش فرماتے۔ جناب موصوف اس سے تو بالکل عاجز وقاصر رہے بلکہ اپنے بیان کردہ اور جمہور مسلمین (جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، محدثین، فقہاء رحمہم اللہ اور اصحاب اصول داخل ہیں) کے اصول کہ خبر واحد سے عمل تو ثابت ہوسکتا ہے۔ لیکن علم یعنی عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ (دل کا سرور طبع ششم ص ۱۳۱) کا خلاف کر کے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات دنیویہ حقیقیہ جسمانیہ عنصریہ حسیہ فی القبور المحفورۃ فی الارض کے عقیدہ پر جو منکر، شاذ، ضعیف، منقطع اور موضوع قسم کی روایات دلائل میں پیش فرمائی ہیں۔ وہ یہاں زیر بحث لائی جائیں گی۔“ (آئینہ تسکین الصدور ص ۳۹)

اس عبارت سے مولف آئینہ تسکین الصدور نے عوام الناس کو یہ باور کرانا چاہا ہے کہ مولانا صفدر صاحب نے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا مدار صرف ان ہی احادیث پر رکھا ہے جو انہوں نے تسکین الصدور میں پیش کی ہیں۔ جن کو حضرات محدثین کرام کی تحقیقات کے برخلاف مولف آئینہ تسکین نے ضعیف وغیرہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ مولف آئینہ تسکین کو یا تو مغالطہ ہوا ہے یا انہوں نے جان بوجھ کر دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے کہ اس مسئلہ میں احادیث پیش کرنے کے سے پہلے عام اموات کے بارہ میں راحت قبر اور عذاب قبر سے متعلق قرآنی آیات واحادیث پیش کی گئی ہیں اور پھر راحت اور عذاب کا تعلق جسمانی کے ساتھ احادیث اور سلف صالحین کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے۔

جب عام اموات کے لئے روح کا تعلق جسم کے ساتھ قرآنی آیات کے اشارات اور احادیث واقوال سلف سے ثابت کیا گیا ہے تو شہداء کی بعد از وفات حیات عام اموات کی بہ نسبت ارفع وافضل ہوتی ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے بھی افضل وارفع ہوتی ہے تو جو دلائل عام اموات کے جسم کے ساتھ روح کے تعلق کے دیئے گئے

ہیں وہ شہداء اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے بھی دلائل ہیں اور بعداز وفات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا شہداء کی حیات سے افضل وارفع ہونا تو مؤلف آئینہ تسکین الصدور اوران کا طبقہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کی تعبیر جمہور اہل سنت والجماعت کے نظریہ سے علیحدہ کرتے ہیں۔ اس لئے مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تسکین الصدور میں باب ششم سے پہلے جو دلائل قرآنی آیات واحادیث کی صورت میں پیش فرمائے ہیں وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے بھی دلائل ہیں کہ جب عام اموات کے اجسام کو اس قدر حیات حاصل جس سے وہ راحت یا عذاب محسوس کرتے ہیں تو جن کی حیات اس سے اعلیٰ وارفع ہے، ان کے اجسام سے روح کا تعلق بھی ان دلائل سے ثابت ہے۔ مؤلف آئینہ تسکین کو مغالطہ ہوا کہ انہوں نے صرف قبور میں حیات انبیاء کرام علیہم السلام کے عنوان کے تحت ذکر کئے گئے دلائل کو ہی مدنظر رکھا۔ حالانکہ پہلی بحث کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے ان دلائل کو انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کی امتیازی حیثیت اور تقویت کے لئے اور حیات فی القبر کے بارہ میں جمہور اہل سنت والجماعت کی تعبیر کی وضاحت کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ مخالفین مثلاً مؤلف آئینہ تسکین اوران کا طبقہ جمہور کی تعبیر کے برخلاف اس حیات کو صرف روح کی حیات مانتا ہے۔

اگر مؤلف موصوف کو تسکین الصدور کے انداز دلائل سے یہ بات سمجھ نہیں آسکی تھی تو کم ازکم وہ المحدث الکامل العلامہ محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی واضح عبارت کو ہی غور سے دیکھ لیتے جو انہوں نے تسکین الصدور پر لکھی جانے والی تقریظ میں تحریر فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

۱...... شہداء کے لئے بنص قرآن حیات حاصل ہے اور مزید دفع تجوز کے لئے ''یرزقون'' کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ جیسے آج کل کا محاورہ ہے ''فلان حی یرزق'' عام اہل برزخ سے ان کی حیات ممتاز ہے۔

۲...... جب انبیاء کا درجہ عام شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے تو ''بدلالۃ النص یا بالاولی'' خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی (علیہم السلام) اور جب مرتبہ اعلیٰ وارفع ہے تو حیات بھی اقویٰ واکمل ہوگی۔

۳...... اسی حیات کی اکملیت کے بارہ میں دو حدیثیں آئی ہیں۔ ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' اور حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (بحوالہ تسکین الصدور ص ۲۴)

اس عبارت میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمادی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ''بدلالۃ النص'' یا ''بالاولی'' خود قرآن کریم سے ثابت ہے اوران احادیث سے اسی حیات کی اکملیت ثابت ہے۔ جب حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا مدار صرف ان ہی احادیث پر نہیں ہے تو پھر عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے یہ ڈھنڈورہ پیٹنا کہ مولانا صفدر صاحب نے اپنے اصول کی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ انتہائی متعصبانہ جسارت ہے۔

دھوکہ نمبر ۲: {مؤلف آئینہ تسکین نے تسکین الصدور کی عبارت بدل کر دھوکہ دیا۔ مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ پھر تسکین الصدور ص ۲۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ اور حیات انبیاء کرام علیہم السلام کی بنیاد اس حدیث پر رکھتے ہیں۔} (آئینہ تسکین الصدور ص ۴۰)

مؤلف موصوف کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا صفدر صاحب حیات انبیاء کرام علیہم السلام کی بنیاد اس حدیث پر رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر دھوکہ ہے۔ اس لئے کہ تسکین الصدور کی اصل عبارت یوں ہے کہ: ''محدثین کرام اس صحیح حدیث پر بنیاد رکھتے ہیں۔ مگر مؤلف موصوف نے تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے محدثین کرام کی جانب نسبت کو ذکر کئے بغیر اس کو لکھا۔ یہ دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے؟''

پھر اس سے مراد یہ ہے کہ عام مردوں کی بہ نسبت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خصوصیت سے جو حیات حاصل ہے اس حیات کی بنیاد محدثین کرام اس صحیح حدیث پر رکھتے ہیں۔ جیسا کہ تسکین الصدور کے دلائل سے بھرپور انداز اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ وضاحت سے عیاں ہے کہ جب انبیاء کا درجہ عام شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے تو بدلالۃ النص یا بالاولی خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی اور اسی حیات کی اکملیت کے بارہ میں حدیثیں آئی ہیں۔ یہ مراد نہیں ہے کہ مطلقاً حیات انبیاء کرام علیہم السلام کی بنیاد اس حدیث پر ہے۔ جیسا کہ عموماً مؤلف موصوف کا طبقہ مغالطہ دیتا رہتا ہے۔

دھوکہ نمبر ۳: { مؤلف آئینہ تسکین نے لکھا ہے کہ مولانا صفدر صاحب نے خود لکھا ہے کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ پر جملہ محدثین فن رجال ونقد حدیث میں کلی اعتماد کرتے ہیں اور خود ان کی بیان کردہ جرح کو ان کا وہم قرار دے کر رد کیا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور مسند ابی یعلی کے حوالہ سے ذکر کردہ حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ '' آیئے اب ہم اس روایت کے متعلق علامہ ذہبی ہی سے پوچھ لیتے ہیں جو کہ فن رجال اور نقد حدیث میں پورے پورے ماہر ہیں۔ جس کا اعتراف خود مولانا صاحب کو بھی ہے۔ جیسا کہ احسن الکلام ج ۲ ص ۹۶ پر لکھتے ہیں کہ علامہ ذہبی وہ ہیں جن کو نقد اسماء رجال میں کامل ملکہ حاصل ہے۔ جب علامہ ذہبی کو رواۃ اور رجال کے پرکھنے کی مکمل مہارت حاصل ہے اور ان کے بعد آنے والے جملہ محدثین کرام ان پر اس فن میں کلی اعتماد کرتے ہیں تو ان پر بلا وجہ الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان کا وہم ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۴۰)

مؤلف آئینہ تسکین الصدور کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ احسن الکلام کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ علامہ ذہبی فن حدیث واسماء الرجال کے بارہ میں جو بھی کہہ دیں بعد میں آنے والے حضرات محدثین کرام ان پر کلی اعتماد کرتے ہیں۔ حالانکہ احسن الکلام کی اس عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اس عبارت میں بلا وجہ کے الفاظ موجود ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ اگر علامہ ذہبی کی جانب وہم کی نسبت کرنے کی وجہ موجود ہو تو ان کی جانب وہم کی نسبت کی جا سکتی ہے۔ بلا وجہ ان کی جانب وہم کی نسبت کرنا درست نہیں ہے۔ علامہ ذہبی کی علمی حیثیت مسلم ہونے اور ان پر فن رجال ونقد حدیث میں اعتماد کرنے کے باوجود کئی مقامات میں حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ نے ان کی رائے سے اختلاف کیا ہے بلکہ اسی روایت کے راوی حجاج بن الاسود کو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نکرۃ'' (مجہول) کہا ہے۔ مگر علامہ ابن حجر نے اس کا تعاقب کیا ہے۔ (لسان المیزان ج ۲ ص ۱۷۵)

پھر خود مؤلف آئینہ تسکین الصدور نے حضرت مولانا صفدر صاحب کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ '' بلا دلیل علامہ ذہبی جیسے ناقد فن رجال پر وہم کا الزام کون سنتا ہے۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۷)

جب وضاحت سے لکھا گیا ہے کہ بلا دلیل وہم کا الزام قابل سماعت نہیں تو اسی سے واضح ہو گیا کہ ان پر کلی اعتماد سے مراد یہ ہے کہ جو بات ان کی دلیل کے ساتھ ہو گی تو اس پر اعتماد ہو گا۔ پھر حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ کے ہاں محدثین کی شخصیات مدار نہیں بلکہ مدار دلائل ہیں اور علامہ ذہبی سے بڑے بڑے حضرات کی بات جب دلیل نہ ہونے یا دلیل کمزور ہونے کی وجہ سے رد کی جا سکتی ہے تو علامہ ذہبی کی بات بلا دلیل کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔ خصوصاً جب کہ اس کے خلاف ان سے بڑے حضرات کی تحقیق موجود ہے۔

پھر ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (الحدیث) کے بارہ میں علامہ ذہبی نے جو جرح کی ہے اور اس جرح کو مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ذہبی کا وہم کہا ہے تو اس جرح کی ایک ایک شق کا جواب بھی حضرت محدثین

کرام سے انہوں نے نقل کیا ہے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس بارہ میں علامہ ذہبی کی جرح کو ان کا وہم کہنے میں مولانا صفدر صاحب اکیلے نہیں ہیں بلکہ دور حاضر میں فن حدیث واسماء الرجال میں خدمت سرانجام دینے والے غیر مقلد عالم علامہ ناصرالدین البانی بھی ہیں۔ انہوں نے بھی کہا ہے کہ اس بارہ میں علامہ ذہبی کو وہم ہوا ہے بلکہ علامہ البانی لکھتے ہیں کہ ''ظاہر یہ ہوتا ہے کہ بعد میں علامہ ذہبی نے اس کو معروف مان لیا تھا۔ اس لئے (متدرک ج ۴ ص ۳۳۲) کی تلخیص میں فرمایا: ''قلت حجاج ثقة'' میں کہتا ہوں کہ حجاج ثقہ ہے۔'' (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ تحت الرقم ص ۶۲۱)

علامہ البانی نے تو مولف آئینہ تسکین الصدور کے پورے محل کو زمین بوس کر دیا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ علامہ ذہبی نے اپنے پہلے نظریہ سے رجوع کر کے حجاج راوی کو ثقہ مان لیا تھا اور حوالہ بھی دیا کہ متدرک کی تلخیص میں انہوں نے حجاج کو ثقہ کہا ہے۔

دھوکہ نمبر ۴: {مولف آئینہ تسکین الصدور نے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ مولانا صفدر صاحب نے بلا وجہ علامہ ذہبی پر وہم کا الزام لگایا ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور نے اپنی عبارت میں یہ ظاہر کیا اور عوام الناس کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مولانا صفدر صاحب نے علامہ ذہبی پر بلا وجہ وہم کا الزام عائد کیا ہے۔ حالانکہ تسکین الصدور کا مطالعہ کرنے والا ہر آدمی جان سکتا ہے کہ مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے علامہ ذہبی کے اعتراض کی ہر ہر شق کا جواب ائمہ محدثین سے نقل کیا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۲۵ تا ۲۲۸)

دھوکہ نمبر ۵: {مولف آئینہ تسکین نے لکھا ہے کہ حجاج بن الاسود مجہول راوی ہے اور اس سے مستلم بن سعید کے علاوہ کوئی اور راوی روایت نہیں کرتا۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور علامہ ذہبی سے نقل کرتے ہیں کہ ''حجاج بن الاسود مجہول ہے۔ ہماری دانست کے مطابق مستلم بن سعید کے بغیر ان سے کسی نے روایت نہیں کی۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۴۱)

یہاں بھی مولف موصوف دھوکہ دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے علامہ ابن حجر سے (لسان ج ۲ ص ۱۷۵) کے حوالہ سے اس اعتراض کا جواب نقل کیا ہے کہ ''حجاج بن الاسود سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور دیگر حضرات روایت کرتے ہیں اور آخرون میں آگے عیسیٰ بن یونس کا نام بھی لیا ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۲۲۶)

جب حجاج بن الاسود سے مستلم بن سعید کے علاوہ اور راویوں کا روایت کرنا بھی دلیل ثابت سے ہے تو اس کے باوجود مولف موصوف کا یہ کہنا کہ مستلم بن سعید کے علاوہ کسی اور نے حجاج بن الاسود سے روایت نہیں کی تو اس کو دھوکے کے سواء اور کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ یقیناً علامہ ذہبی کے پیش نظر یہ بات نہ ہوگی۔ ورنہ وہ تائید یا تردید کی صورت میں ضرور اس پر تبصرہ کرتے۔ اس لئے وہ تو اس بارہ میں معذور سمجھے جائیں گے۔ مگر مولف آئینہ تسکین کا معاملہ ان سے جدا ہے۔ اس لئے کہ تسکین الصدور میں جب یہ بات واضح کر دی گئی ہے تو یقیناً یہ مولف آئینہ تسکین نے ملاحظہ کی ہوگی تو اس کے باوجود ان کا یہ کہنا کہ حجاج سے مستلم بن سعید کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کی تو یہ حقائق چھپانے کے مترادف ہے۔

دھوکہ نمبر ۶: {مولف آئینہ تسکین نے یہ کہہ کر دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ مولانا صفدر صاحب نے حجاج بن الاسود کی ثقاہت ثابت کرنے میں زور لگایا ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ ''جناب موصوف نے علامہ ذہبی کا حوالہ نقل کر کے حجاج بن اسود کی

ثقاہت پر زور لگایا ہے۔'' (آئینہ تسکین ص ۴۱)

مؤلف موصوف زور لگایا ہے کہ الفاظ لکھ کر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ حقیقت کچھ اور ہے مگر مولانا صفدر صاحب نے خواہ مخواہ اس کی ثقاہت ثابت کرنے میں زور لگایا ہے۔ حالانکہ یہ بھی مؤلف موصوف کا دھوکہ ہے اس لئے کہ مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد، امام ابن معین، امام ابو حاتم اور علامہ بن حبان رحمۃ اللہ علیہم سے اس کی ثقاہت نقل کر کے ڈنکے کی چوٹ لکھا ہے کہ '' جب ائمہ جرح وتعدیل اور چوٹی کے محدثین کرام ان کو ثقہ کہتے ہیں تو پھر وہ نکرۃ اور مجہول کیسے رہے۔'' (تسکین الصدور ص ۲۲۵)

مؤلف موصوف نے جب تسکین الصدور کے رد میں قلم اٹھایا تھا تو ان کا فریضہ تھا کہ واضح دلائل کے ساتھ حجاج کے بارہ میں ثابت کی گئی ثقاہت کا توڑ پیش کرتے مگر ایسا ان کے بس میں کہاں؟

دھوکہ نمبر ۷: {مؤلف آئینہ تسکین نے دھوکا دینے کی کوشش کی ہے کہ جب ثقہ راوی کی حدیث **معلل** ہو سکتی ہے تو حجاج کی ثقاہت ماننے کے باوجود اس کی روایت منکر بھی ہو سکتی ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ اگر بالفرض تسلیم کر بھی لیا جائے کہ حجاج بن اسود ثقہ تھے۔ مگر راوی کی ثقاہت سے حدیث کا صحیح ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ اصول حدیث کی رو سے ثقہ راویوں کی حدیث بھی **معلل** ہو سکتی ہے۔

پھر آگے وہ مولانا صفدر صاحب کی بعض کتابوں کے حوالہ سے یہی اصول نقل کر کے یہ عبارت بھی لکھتے ہیں:

''بہر حال اگر نافع بن محمود کو بعض محدثین نے ثقہ بھی کہا ہو تب بھی اس کی حدیث **معلل** ہو سکتی ہے۔'' (احسن الکلام ج ۲ ص ۹۶)

پھر احسن الکلام کی اس عبارت کا نتیجہ مؤلف آئینہ تسکین یوں نکالتے ہیں '' تو اس قاعدہ کے پیش نظر مولانا صفدر صاحب کو یہ تسلیم کر لینا چاہئے تھا کہ بہر حال اگر حجاج بن اسود کو بعض محدثین نے ثقہ بھی کہا ہو۔ تب بھی اس کی حدیث میزان کے حوالہ ''فاتی بخبر منکر'' کے خلاف نہیں ہے۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۴۱ تا ۴۳ ملخصاً)

مؤلف موصوف نے اگر منکر سے مراد وہ منکر لی ہے جس میں راوی متفرد ہو تو ثقہ راوی کی روایت ایسی منکر ہو سکتی ہے مگر اس منکر کی وجہ سے نہ تو حدیث ضعیف ہوتی ہے اور نہ ہی اس کو رد کیا جا سکتا ہے اور ایسی منکر اصطلاحی منکر سے علیحدہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ آگے الشیخ ابو غدہ کے حوالہ سے اس کا ذکر کیا گیا ہے اور اگر منکر سے مراد اصطلاحی منکر ہے۔ جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کا طبقہ ثابت کرتا ہے تو جب تک اصطلاحی منکر کی تعریف ثابت نہیں ہوتی۔ اس وقت تک کسی روایت پر منکر کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ (اور حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' پر اصطلاحی منکر کا اطلاق قطعاً ثابت نہیں ہے)

پھر مؤلف موصوف نے قیاس مع الفارق سے کام لیتے ہوئے کہا کہ جب کسی ثقہ راوی کی روایت **معلل** ہو سکتی ہے تو منکر بھی ہو سکتی ہے تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرات محدثین کرام نے حدیث کی اقسام میں **معلل** کو الگ اور منکر کو الگ بتایا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی تعریف بھی علیحدہ علیحدہ ہے۔ جب **معلل** اور منکر دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں تو ان میں سے ایک کو ماننے سے دوسرے کا ماننا کیسے لازم آ سکتا ہے۔ ایسی بات فن حدیث کی اصطلاحات اور قیاس کی تعریف سے ناواقف یا جان بوجھ کر دھوکہ دینے والا ہی کہہ سکتا ہے۔

مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بفضلہ تعالیٰ **معلل** اور منکر کی تعریفات سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لئے مؤلف موصوف کا ان کو مشورہ دینا کہ جب ثقہ راوی کی حدیث **معلل** ہو سکتی ہے تو اس قاعدہ کے پیش نظر مولانا صفدر صاحب کو یہ تسلیم کر لینا چاہئے تھا کہ حجاج کی روایت کو منکر تسلیم کر لیں تو یہ مشورہ بے سود اور جاہلانہ ہے۔

دھوکہ نمبر ۸: {مولف آئینہ تسکین الصدور ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کے بارہ میں کہے گئے منکر سے منکر اصطلاحی مراد نہیں لیتے۔ مگر اس کا حکم اصطلاحی منکر والا ظاہر کر کے دھوکا دیتے ہیں۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور نے مذکورہ عبارت میں علامہ ذہبی کے ''فاتی بخبر منکر'' کے الفاظ سے ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' والی حدیث پر منکر اصطلاحی کا حکم لگانا چاہا ہے۔ حالانکہ اصطلاح میں منکر اس روایت کو کہتے ہیں کہ ضعیف راوی ثقہ کی یا ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے اور ایسی منکر روایت مردود ہوتی ہے۔

علامہ ذہبی نے ''فاتی بخبر منکر'' کے جو الفاظ فرمائے ہیں اس سے اصطلاحی منکر مراد نہیں۔ ورنہ تو ثابت کرنا پڑے گا کہ کس ضعیف راوی نے ثقہ کی یا ثقہ راوی نے اپنے سے زیادہ ثقہ کی مخالفت کی ہے۔ علامہ ذہبی کے منکر اصطلاحی لینے کا جو احتمال ہو سکتا تھا اس کا ذکر کر کے تسکین الصدور میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

اور اس سے مراد منکر اصطلاحی خود مولف موصوف بھی نہیں لے رہے۔ اس لئے کہ وہ خود لکھتے ہیں ''اور جس روایت کا راوی اس متن کے روایت کرنے میں بالکل تنہا ہو کسی دوسرے راوی نے اس متن حدیث کو روایت نہ کیا ہو، اس کو بھی منکر اور غیر معروف کہتے ہیں۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۴۷)

یہ بات درست ہے کہ نکارۃ کا اطلاق راوی کے تفرد پر بھی کیا جاتا ہے۔ مگر ایسی نکارۃ کا حکم اصطلاحی منکر جیسا نہیں ہے۔ جیسا کہ المحقق الشیخ ابوغدہ عبدالفتاح فرماتے ہیں کہ ''امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے المیزان میں مسند احمد اور سنن ابی داؤد وغیرہ قابل اعتماد کتب میں پائی گئی احادیث کے بارہ میں کہا ہے کہ وہ منکر ہیں بلکہ ایسی احادیث صحیحین میں بھی ہیں اور اس کا معنی صرف وہی ہے جس کو حفاظ جانتے ہیں: ''وھو ان النکارۃ ترجمع الی الفردیۃ ولا یلزم من الفردیۃ ضعف متن الحدیث فضلاً عن بطلانہ'' (حاشیہ الرفع والتکمیل ص ۲۰۰)

اور وہ یہ ہے کہ بے شک نکارۃ فردیت کی جانب لوٹتی ہے اور فردیت (یعنی راوی کے تنہا ہونے) سے حدیث کا متن ضعیف نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ وہ باطل ہو۔ الشیخ ابوغدہ نے واضح فرمادیا کہ اگر نکارۃ فردیت کے معنی میں ہو تو اس نکارۃ کی وجہ سے حدیث میں ضعف بھی نہیں آتا۔ حیرانگی کی بات ہے کہ مولف موصوف یہاں نکارۃ کو فردیت یعنی راوی کے تنہا ہونے کے معنی میں لے کر بھی اصطلاحی منکر کا حکم اس میں ثابت کرنے کے درپے ہیں جو کہ بدترین قسم کا دھوکہ ہے۔

دھوکہ نمبر ۹: {مولف موصوف کہتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے خود لکھا ہے کہ طبقہ ثالثہ ورابعہ کی روایات کو محدثین قبول نہیں کرتے۔ مگر خود انہوں نے اسی طبقہ کی روایات کو پیش کیا ہے۔}

مولف آئینہ تسکین طبقات کتب حدیث کے اعتبار سے اس حدیث کی حیثیت کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ محدث ابویعلی موصلی کی کتاب طبقہ ثالثہ میں شمار ہوتی ہے جس کے بارے میں خود صاحب تسکین بریلویوں کی تردید کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

''مولوی عبدالسمیع صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کا ان روایات سے استدلال کرنا جن میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سال کے بعد شہداء کی قبروں پر السلام علیکم کے الفاظ سے دعا کیا کرتے تھے اور اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی آپ کے بعد ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ تو ان سے ان کا استدلال کرنا خام ہے۔ اولاً اس لئے کہ یہ روایتیں کتب حدیث کے اس طبقہ کی روایتیں ہیں جن کو محدثین ہرگز قبول نہیں کرتے نہ عقیدہ میں اور نہ عمل میں۔'' (بحوالہ راہ سنت ص ۱۶۵، ازالۃ الریب طبع اول ص ۴۲۳، دل کا سرور طبع ششم ص ۱۸۸)

تبصرہ: جب محترم صاحب کی اپنی تحقیق یہ ہے کہ طبقہ ثالثہ کی روایتوں کو محدثین ہرگز قبول نہیں کرتے نہ عقیدہ میں نہ عمل میں تو مولانا صاحب اس حدیث کو لائے ہی کیوں؟ (آئینہ تسکین الصدور ص ۴۳، ۴۴)

اس عبارت سے مؤلف آئینہ تسکین نے یہ نتیجہ نکالا کہ مولانا صفدر صاحب کے نزدیک طبقہ ثالثہ کی روایتوں کو محدثین ہرگز قبول نہیں کرتے۔ حالانکہ خود مؤلف موصوف نے حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ کی جن کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ ان تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ اس طبقہ کی کتابوں میں مذکور روایت اس وقت تک قابل قبول نہیں۔ جب تک اس حدیث کی اصول حدیث کی رو سے صحت ثابت نہ کی جائے۔ یہ نہیں کہا کہ ان کتابوں کی باسند اور صحیح روایات بھی قابل قبول نہیں۔ جیسا کہ مؤلف موصوف دھوکا دے رہے ہیں۔

راہ سنت کی عبارت یوں ہے: ''تو ان سے استدلال خام ہے۔ اولاً اس لئے کہ یہ روایتیں کتب حدیث کے اس طبقہ کی ہیں، جن میں بجز باسند اور صحیح احادیث کے جن پر امت کا تعامل ہے۔ اکثر احادیث کو محدثین ہرگز قبول نہیں کرتے نہ عقیدہ میں اور نہ عمل میں۔'' (عجالہ نافعہ ص ۷، حجۃ اللہ البالغہ، راہ سنت ص ۱۷۳)

اور ازالۃ الریب کی عبارت ہے کیونکہ امام طبرانی کی جملہ تصانیف حضرات محدثین کرام کے نزدیک کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں داخل ہیں اور اس طبقہ کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ: ''و اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نشدہ اند بلکہ اجماع بر خلاف آنہا منعقد گشتہ'' (عجالہ نافعہ ص ۷)

جب تک اس حدیث کی اصول حدیث کی رو سے صحت ثابت نہ کی جائے اس سے احتجاج درست نہیں ہے۔ (ازالۃ الریب ص ۵۳۴)

اور گلدستہ توحید کی عبارت ہے۔ ''ہاں! اگر اصول حدیث کے رو سے اس طبقہ کی کوئی حدیث سنداً صحیح ثابت ہو تو اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔'' (گلدستہ توحید ص ۱۴۴)

اور دل کا سرور میں تو مستقل نوٹ کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے کہ اگر ان مذکورہ کتب میں کوئی ایسی روایت ہو جو سنداً صحیح ہو اور قرآن کریم اور صحیح احادیث سے متعارض نہ ہو اور علی الخصوص جب کہ اکثر امت اور جمہور اہل اسلام کا اس پر تعامل بھی ہو تو اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ (دل کا سرور ص ۱۷۵)

ان عبارات سے واضح ہوا کہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے علی الاطلاق طبقہ ثالثہ و اربعہ کی کتابوں میں موجود روایات کو نا قابل قبول نہیں کہا۔ جیسا کہ مؤلف آئینہ تسکین الصدور دھوکا دے رہے ہیں بلکہ حضرت مولانا صفدر صاحب نے وضاحت فرما دی ہے کہ ان کتب میں موجود اکثر ایسی روایات جو بے سند اور اصول حدیث کی رو سے صحیح نہیں وہ نا قابل قبول ہیں اور جو باسند اور اصول حدیث کی رو سے صحیح روایات ہیں وہ قابل قبول ہیں۔

اور حدیث: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کو محدث المناوی نے فیض القدیر میں ''حدیث صحیح'' کہا ہے اور کسی محدث نے ان کا رد نہیں کیا۔

اور علامہ البانی لکھتے ہیں کہ میرا خیال پہلے یہ تھا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ مگر بعد میں جب مسند ابی یعلی اور اخبار اصفہان کو دیکھا تو میرے سامنے یہ واضح ہو گیا کہ ''انہ اسناد قوی'' کہ بے شک اس کی سند قوی ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ تحت الرقم ۶۲۱)

اور اسی روایت کی مسند ابی یعلی میں تخریج کرتے ہوئے غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے

ہیں: "اخرجه البیهقی فی حیاة الانبیاء من طریق ابی یعلی و ابو نعیم فی اخبار اصفهان ج ۲ ص ۸۳ و اسناده جید" (حاشیہ مسند ابی یعلی ج ۳ ص ۳۷۹ مطبوعہ دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیۃ جدہ)

مولف آئینہ تسکین الصدور اور ان کے طبقہ کو حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ پر اعتراض کرنے کی بجائے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہئے کہ جب "الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون" حدیث باسند بھی ہے اور سند بھی جید ہے تو اس کو پیش کرنے پر اعتراض کیوں؟ اور پھر ان حضرات کا یہ الزام کہ مولانا صفدر صاحب طبقہ ثالثہ ورابعہ کی کتب میں موجود تمام روایات کو محدثین کے نزدیک ناقابل قبول مانتے ہیں تو ایسا الزام لگا کر عوام الناس کو دھوکا دینا کہاں کی علمی خدمت ہے؟

<u>دھوکہ نمبر ۱۰</u>: {مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ: "ابو الجهم الازرق" اس روایت میں متفرد ہے۔}

مولف آئینہ تسکین لکھتے ہیں کہ اب مستلم بن سعید کا ایک ہی شاگرد رہ گیا اور وہ ہے یحیٰی بن ابی بکیر پھر اس کا ایک ہی شاگرد "ابو الجهم الازرق بن علی" (آئینہ تسکین الصدور ۴۵)

اس میں مولف موصوف یہ ثابت کر رہے ہیں کہ "ابو الجهم الازرق" اس روایت میں متفرد ہے۔ حالانکہ علامہ البانی لکھتے ہیں کہ یہ متفرد نہیں بلکہ ابو نعیم نے اخبار اصفہان میں عبداللہ بن ابراہیم کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے جس کو خطیب بغدادی نے ثقہ کہا ہے۔ پس یہ ازرق کی قوی متابعت ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ تحت الرقم ۶۲۱)

جب "ابو الجهم الازرق" کا متابع موجود ہے تو عوام الناس کو دھوکا دینے کے لئے یہ کہنا کہ اس روایت میں "ابو الجهم" متفرد ہے۔ اس کی توقع کسی مسئلہ میں تحقیق کرنے والے سے نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ ایسا کام صرف متعصب اور متخرب کا ہی ہو سکتا ہے۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۱</u>: {مولف آئینہ تسکین لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے اتمام البرہان میں یحیٰی بن ابی بکیر کے واسطہ سے مروی روایت کو رد کیا ہے۔ مگر خود تسکین الصدور میں اس کی سند سے مروی روایت کو دلیل بنایا ہے۔}

مولف آئینہ تسکین لکھتے ہیں اور "یحیٰ بن ابی بکیر" جو "ابو الجهم ازرق بن علی" کا استاد ہے اس کے متعلق حضرت مولانا صاحب ایک بریلوی کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحیح تر بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت موقوف ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یحیٰی بن ابی بکیر کے علاوہ کسی اور نے اس کو شریک سے مرفوع بیان کیا ہو۔ (اتمام البرہان ج ۳ ص ۷۹، آئینہ تسکین الصدور ص ۴۶)

اس عبارت سے مولف موصوف یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے یہ عبارت لکھ کر یحیٰی بن ابی بکیر کی وجہ سے اس روایت کو رد کیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر دھوکہ ہے۔ اس لئے کہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے اس عبارت کے ساتھ ہی لکھا ہے اور اس میں جو راوی شریک ہیں وہ باوجود ثقہ ہونے کے حدیث میں غلطی کر جاتے تھے۔ (اتمام البرہان ج ۳ ص ۷۴)

اس سے واضح ہو گیا کہ مولانا صفدر صاحب نے روایت کے رد کا مدار یحیٰی بن ابی بکیر پر نہیں بلکہ شریک پر رکھا ہے مگر مولف آئینہ تسکین نے یہ ظاہر کیا کہ انہوں نے رد کا مدار یحیٰی بن ابی بکیر پر رکھا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اعتراض کر رہے ہیں کہ تسکین الصدور میں اس کی روایت کو کیوں لیا گیا ہے۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۲</u>: {مولف موصوف لکھتے ہیں کہ راوی کے تفرد کی وجہ سے بھی اس کی روایت کو منکر کہا جا سکتا ہے اور علامہ ذہبی نے تفرد کی وجہ سے منکر روایت کو رد کیا ہے۔}

ہم نے پہلے الشیخ ابوغدہ کے حوالہ سے وضاحت کر دی ہے کہ راوی کے تفرد کی وجہ سے اگر روایت کو منکر کہا جائے تو اس پر منکر اصطلاحی کا حکم نہیں لگتا۔ مگر مولف آئینہ تسکین نے دو مثالیں بیان کی ہیں جن سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ راوی کے تفرد کی وجہ سے بھی اس کی روایت کو منکر کہا جا سکتا ہے اور ایسی روایت رد کی جائے گی۔

پہلی مثال کا خلاصہ وہ یوں نکالتے ہیں کہ پہلی مثال میں مستدرک کی روایت کو چونکہ صرف ابوالازہر عبدالرزاق سے روایت کرتا ہے اور کوئی دوسرا اس کو بیان نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے علامہ ذہبی نے اس کو منکر قرار دیا ہے۔ اگر چہ اس کے رواۃ سب ثقہ ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۴۸)

مولف موصوف نے دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ورنہ انہوں نے خود عربی عبارت جو پیش کی ہے اس میں ہے کہ: ''قلت هذا وان كان رواته ثقات فهو منكر ليس ببعيد من الوضع والا لای شیئ حدیث به عبدالرزق سرأ'' میں کہتا ہوں کہ اگر چہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ پس وہ منکر ہے۔ وضع سے بعید نہیں ہے۔ ورنہ کس وجہ سے عبدالرزاق نے اس کو مخفی انداز میں بیان کیا اور امام احمد، ابن معین اور دیگر جو لوگ اس کے پاس سفر کر کے جاتے رہے، ان کے سامنے اس کو کیوں بیان نہیں کیا۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ علامہ ذہبی نے محض راوی کے تفرد کی وجہ سے نہیں بلکہ عبدالرزاق کے اس روایت کو ابوالازہر سے مخفی انداز سے بیان کرنے پر طعن کیا ہے اور اس وجہ سے اس کو منکر کہا اور یہ بھی کہا کہ یہ روایت موضوع ہونے سے بعید نہیں ہے۔ جب علامہ ذہبی نے روایت کو رد کرنے کا مدار عبدالرزاق کے انداز کو ٹھہرایا ہے یا کم از کم اس انداز کو بھی رد کی وجہ میں شامل کیا ہے تو اس کے باوجود مولف آئینہ تسکین کا یہ ظاہر کرنا کہ علامہ ذہبی نے راوی کے تفرد کی وجہ سے منکر روایت کو رد کیا ہے تو یہ سراسر دھوکہ ہے۔ جب کہ ہم نے پہلے الشیخ ابوغدہ کے حوالہ سے نقل کیا کہ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ راوی کے تفرد کی وجہ جس روایت کو منکر کہا جاتا ہے وہ ضعیف بھی نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ اس کو باطل کہا جائے۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۳</u>: {مولف موصوف کا اپنی بیان کردہ مثال کے تناظر میں مسند ابی یعلی کی ''الانبياء احياء فی قبورهم يصلون'' حدیث کو دیکھنا دھوکہ ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور نے دوسری مثال کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے کہ امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا متن معروف نہیں۔ ایوب سے صرف عباد ہی روایت کرتے ہیں اور عباد سے صرف ریحان بن سعید ہی روایت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اسے ابن حبان نے ثقہ بتایا ہے۔ یحیٰی بن معین اور نسائی کہتے ہیں ان میں کوئی ڈر خوف کی بات نہیں۔ ابوداؤد نے ان سے روایت نہیں لی۔ ابوحاتم کہتے ہیں یہ شیخ ہیں۔ ان میں کوئی حرج نہیں۔ ان کی حدیثیں لکھ لی جاتی ہیں اور ان سے دلیل نہیں لی جاتی۔ یہی حال اس حدیث ''الانبياء احياء فی قبورهم يصلون'' کا ہے کہ اس کو ثابت البنانی سے حجاج بن اسود کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں کرتا اور حجاج بن اسود سے مستلم بن سعید کے علاوہ کوئی اور بیان نہیں کرتا۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۴۹)

یہاں بھی مولف موصوف دھوکا دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ حضرات محدثین کرام نے تفرد کی وجہ سے تین درجے قائم کئے ہیں۔ اگر متفرد راوی اپنے سے اوثق کی مخالفت نہیں کرتا اور عادل حافظ اور ضبط میں قابل اعتماد ہو تو اس کا تفرد صحیح ہے اور اگر ضبط میں قابل اعتماد نہ ہو اور ضابطہ کے درجہ سے بعید بھی نہ ہو تو اس کا تفرد حسن ہے اور اگر وہ ضابطہ کے درجہ سے بعید ہو تو وہ شاذ منکر مردود ہے۔ (تقریب النووی ص ۱۴۹)

مولف آئینہ تسکین نے جو مثال بیان کی ہے اس میں ایسا راوی ہے، جس کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ اس کی حدیثیں لکھ لی جاتی ہیں اور ان سے دلیل نہیں لی جاتی۔ مگر مسند ابی یعلی کی روایت ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' جو پیش کی گئی ہے اس میں کوئی ایسا راوی نہیں جس کے بارہ میں یہ کہا گیا ہو کہ اس کی حدیث لکھی تو جا سکتی ہے مگر اس سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔

جب بیان کردہ مثال اور مسند ابی یعلی کی روایت میں نمایاں فرق ہے تو اس کے باوجود مسند ابی یعلی کی روایت کو اپنی پیش کردہ مثال کے تناظر میں دیکھنا اور دونوں کا ایک جیسا حکم ثابت کرنا سراسر دھوکا ہے۔

دھوکہ نمبر ۱۴: {مولف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب اپنے اصول کے مطابق عقیدہ کے اثبات کے لئے خبر واحد صحیح بھی پیش نہیں کر سکے۔}

''اہل علم حضرات مولانا صاحب سے دریافت کریں گے کہ آپ اپنے اصولوں کے مطابق عقیدہ کے اثبات کے لئے نص قطعی یا خبر متواتر پیش کرنے کی بجائے خبر واحد صحیح بھی پیش نہ کر سکے۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۴۹)

مولف موصوف اپنی اور اپنے طبقہ کی خفت مٹانے کے لئے دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کر کے حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر الزام لگا رہے ہیں کہ وہ اپنے اصولوں کے مطابق اپنے نظریہ حیات الانبیاء علیہم السلام پر دلیل نہیں پیش کر سکے۔ اس لئے کہ بعد از وفات حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا عقیدہ تو متفقہ ہے اور اس سے انکار مولف آئینہ تسکین الصدور اور ان کا طبقہ بھی نہیں کرتا۔

اور تسکین الصدور میں ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی جولائی / اگست ۱۹۶۰ء کے حوالہ سے جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے سرکردہ پچاس حضرات کے دستخطوں سے ایک تحریر نقل کی گئی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد الموت سب سے اعلیٰ وارفع اجمل وافضل حیات برزخیہ عطاء فرمائی گئی ہے۔ یہ جمہور اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ اس پر کتاب اللہ احادیث صحیحہ اور ارشادات صحابہ رضی اللہ عنہم شاہد ہیں۔'' (تسکین الصدور ص ۲۸۴)

اس سے واضح ہوا کہ بعد از وفات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخیہ کا عقیدہ مولف آئینہ تسکین کے طبقہ کے ہاں بھی کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اب اختلاف اس میں ہے کہ اس حیات برزخیہ کا تعلق قبر میں مدفون جسم کے ساتھ بھی ہے یا نہیں۔ جمہور اہل سنت جن کی ترجمانی حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں۔ وہ اس کے قائل ہیں کہ اس حیات برزخیہ کا تعلق قبر میں مدفون جسم کے ساتھ بھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ قبر میں نماز پڑھتے اور قبر پر پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں اور اس نظریہ کا تعین مسند ابی یعلی وغیرہ کی صحیح اور حسن درجہ کی روایات اور اقوال سلف سے کرتے ہیں۔ اسی کے قریب جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے بزرگوں میں شمار کئے جانے والے استاذ العلماء حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب آف گوجرانوالہ اور ان کے متعلقین کا نظریہ ہے جو برزخ میں دنیا والے جسم کے ساتھ حیات کا تعلق مانتے ہیں۔ مگر اس حیات کو حیات دنیویہ سے تعبیر کرنے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی تحریرات سے واضح ہے۔

اس کے برخلاف مولف آئینہ تسکین اور ان کا کثیر طبقہ اس حیات برزخیہ کو صرف روحانی مانتا ہے اور اس حیات کا تعلق قبر میں مدفون جسم کے ساتھ ماننے سے انکاری ہے۔ ایسے نظریہ کے حامل حضرات کا فریضہ تھا کہ اس

اختلافی صورت میں اپنے نظریہ کی تائید میں کوئی صریح اور واضح دلیل پیش کرتے کہ بعد از وفات جو حیات حاصل ہے، اس کا تعلق دنیا والے جسم کے ساتھ نہیں ہے۔ مگر اس سے یہ سارے حضرات آنکھیں بند کر لیتے ہیں، ہماری ان حضرات سے گزارش ہے کہ اگر پہلے اپنے نظریہ پر کوئی واضح اور صریح دلیل پیش کرنے کی طرف یہ حضرات توجہ نہیں کر سکے تو اب جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوئی صریح اور واضح دلیل پیش کر دیں۔ ہم یہ بھی مطالبہ نہیں کرتے کہ مولف آئینہ تسکین الصدور اور ان کا طبقہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کی جانے والی مسند ابی یعلی کی ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' اور اس جیسی دیگر صحیح اور حسن درجہ کی روایات کے ہم پلہ اور اس معیار کی دلیل پیش کریں بلکہ کمزور سے کمزور واضح اور صریح روایت سے ہی ثابت کر دیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد از وفات حیات کا تعلق آپ کے جسم اطہر کے ساتھ نہیں ہے اور نہ ہی وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی قبر پر پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں۔

قارئین کرام! ان حضرات کا کسی واضح اور صریح حدیث سے اپنے نظریہ کو ثابت کرنا تو دور کی بات ہے، حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تسکین الصدور میں ڈنکے کی چوٹ پر لکھا کہ بلاخوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۷۴ھ (جس سال میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی نے اپنا نظریہ ظاہر کیا تھا) تک اہل السنۃ والجماعۃ کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ (تسکین الصدور ص ۲۹۰)

اور پھر حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ نیلوی صاحب کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ '' آپ بھی اس بات کے مدعی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر اطہر میں کوئی تعلق نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے۔ (العیاذ باللہ) تو آپ پر بھی اس کا واضح اور صریح دلائل سے ثبوت لازم ہے جس سے آپ یقیناً قاصر ہیں اور تا قیامت قاصر رہیں گے۔ ''لا دلیل علی النافی'' کو اپنا سپر (ڈھال) بنا کر دلیل قائم کرنے سے راہ فرار اختیار کرنا بالکل بے سود ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۲۹۳)

حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ڈنکے کی چوٹ پر ایسا فرمانے کے بعد ان کے مخالفین اور مخاطبین بالخصوص تسکین الصدور پر تنقیدی تحریرات منظر عام پر لانے والوں کا فریضہ تھا کہ وہ جرأت وجوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے نظریہ کی تائید میں کوئی دلیل پیش کرتے مگر ان حضرات نے اپنی خفت مٹانے کے لئے بے بنیاد الزامات لگا کر اپنے حواریوں کو خوش رکھنے کا ناکام حیلہ تلاش کر لیا۔

ہم پھر واضح کرتے ہیں کہ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بعد از وفات کا ثبوت کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ سے ہے جس کا اقرار خود مولف آئینہ تسکین الصدور کے طبقہ کو بھی ہے اور پھر اس حیات کے قبر میں مدفون جسم کے ساتھ تعلق اور اس حیات کی عام مردوں کی بہ نسبت اکملیت کا ثبوت ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' اور اس جیسی دیگر صحیح درجہ کی روایات سے ہے۔

مولف آئینہ تسکین اور ان کا طبقہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اپنے نظریہ پر خبر واحد صحیح بھی پیش نہ کر سکنے کا بے بنیاد الزام لگا کر عوام الناس کو دھوکا دینے کی بجائے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے نظریہ پر کوئی

کمزور روایت ہی پیش کر دیں۔ جس میں صراحت ہو کہ بعد از وفات انبیاء کرام علیہم السلام کو جو حیات حاصل ہے اس کا تعلق جسم اطہر کے ساتھ نہیں ہے۔"ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین"

دھوکہ نمبر ۱۵: {مولف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے حیات النبی ﷺ کے عقیدہ کے بارہ میں صرف امام سیوطی کے متواتر کہنے کے قول کو لے لیا۔ حالانکہ انہوں نے خود امام سیوطی کے بارہ میں فرمایا ہے کہ وہ متاخرین میں سے ہیں اور متاخرین کا قول حجت نہیں ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ محترم مولانا صاحب کو تمام محدثین میں صرف ایک مولانا جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہی میسر آئے ہیں کہ جنہوں نے تواتر کا قول کیا ہے اور وہ متاخرین میں سے ہیں اور متاخرین کا قول حجت نہیں۔ (سماع الموتی ص ۱۲۸، آئینہ تسکین الصدور ص ۵۲)

مولف آئینہ تسکین الصدور کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ محدثین کرام میں سے صرف علامہ سیوطی نے تواتر کا قول کیا ہے۔ اس لئے کہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو متواتر کہنے میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کی۔ (تسکین الصدور ص ۲۴۳)

پھر مولف موصوف نے سماع الموتی کی تصحیح شدہ عبارت چھوڑ کر پہلے کی عبارت نقل کی۔ حالانکہ ان کے آئینہ تسکین الصدور لکھنے کے وقت تصحیح شدہ عبارت طبع ہو چکی تھی اور تصحیح شدہ عبارت یوں ہے کہ یہ متاخرین میں شامل ہیں۔ انکا قول بلا دلیل حجت نہیں۔ (سماع الموتی ص ۱۲۸)

دھوکہ نمبر ۱۶: {مولف موصوف لکھتے ہیں کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جس حیات کے قائل ہیں، جب مولانا صفدر صاحب اس جیسی حیات کے قائل نہیں تو ان کے حدیث کے بارہ میں صحیح اور متواتر کہنے کے قول کو کیوں لیتے ہیں۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں معلوم ہونا چاہئے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ انبیاء علیہم السلام کی کون سی حیات کے قائل ہیں۔ اس کے لئے علامہ سید محمود آلوسی بغدادی کی مایہ ناز تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۶ دیکھیں۔ پھر مولف موصوف نے روح المعانی کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا جس کے آخر میں ہے اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اسی قسم کی حیات کی طرف گئے ہیں۔ پھر کہا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔ ان کی روحیں قبض ہونے کے بعد پھر ان کی طرف لوٹا دی گئیں ہیں اور انہیں اپنی قبروں سے نکلنے اور عالم علوی و سفلی میں تصرف کرنے کا بھی اذن دیا گیا ہے۔

پھر مولف موصوف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ہے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ دربارہ حیات انبیاء علیہم السلام جس پر وہ اخبار متواتر کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اہل علم حضرات محترم صاحب سے دریافت کریں گے کہ کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے جو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام قبروں سے نکل کر عالم علوی و سفلی میں تصرف کرتے پھرتے ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۵۲، ۵۳)

مولف آئینہ تسکین الصدور نے اپنے حواریوں کو خوش کرنے کا سامان تو مہیا کر دیا مگر اہل علم جانتے ہیں کہ یہ ان کا سراسر دھوکا ہے۔ اس لئے کہ کسی حدیث کے بارہ میں فن حدیث کی رو سے کسی حدیث کو صحیح وغیرہ کہنے کے نظریہ کی تائید سے لازم نہیں آتا کہ اس محدث نے اس حدیث سے جو نظریہ فقہی نظر سے اخذ کیا ہے، اس سے بھی اتفاق کیا جائے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں بے شمار ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کے بارہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی صحت کا نظریہ اپنایا جاتا ہے۔ مگر ان احادیث سے خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو فقہی نظریہ قائم کیا

اس سے اختلاف کیا جاتا ہے اور یہ ایسی واضح بات ہے کہ فن حدیث میں معمولی دسترس رکھنے والا بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ وہی ہے جو مولف موصوف نے نقل کیا ہے تو اس سے اختلاف کرنے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا۔ ان کے ان احادیث کے بارہ میں اخبار متواترہ کہنے سے بھی اختلاف کیا جائے۔ جب کہ وہ اس معاملہ میں اکیلے بھی نہیں بلکہ دیگر کئی محدثین کرام نے بھی ان اخبار کو متواتر کہنے میں ان کی تائید کی ہے۔

دھوکہ نمبر ۱۷: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے خود تواتر کے دعویٰ کی تردید کی ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا کے دعویٰ تواتر کی تردید خود ان کے قلم سے۔ مولانا محمد سرفراز خان صاحب خود اسی امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تصحیح حدیث میں بہت ہی زیادہ متساہل ہیں۔ وہ تو جعلی من گھڑت اور موضوع حدیثوں کا سہارا بھی اپنے استدلال میں ڈھونڈ لیتے ہیں۔

(مسالک العلماء وازالۃ الریب طبع اوّل ص ۴۲۲، آئینہ تسکین الصدور ص ۵۴)

یہ مؤلف موصوف کی غلط بیانی ہے کہ مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعویٰ تواتر کی تردید کی ہے۔ انہوں نے تردید نہیں کی بلکہ وہ تو کھلے الفاظ میں فرماتے ہیں کہ ''اہل علم جانتے ہیں کہ تواتر کے کئی اقسام ہیں۔ تواتر لفظی، تواتر معنوی، تواتر طبقہ اور تواتر توارث وغیرہ۔ گو اس حدیث کے الفاظ اور اسناد متواتر نہیں لیکن تواتر طبقہ اور تواتر توارث کا شرف اس کو حاصل ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۲۴۴)

جب حضرت مولانا صفدر صاحب کی واضح اور کھلے لفظوں میں تحریر موجود ہے تو ان کی کسی عبارت سے خود ساختہ مفہوم لے کر اس مفہوم کی نسبت ان کی طرف کرنا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

دھوکہ نمبر ۱۸: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو متساہل لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ متساہل کی بات قابل التفات نہیں ہوتی۔ مگر تسکین الصدور میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے متواتر کہنے کے قول پر اعتماد کیا ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ ''مولانا محترم محمد سرفراز صاحب تفریح الخواطر اشاعت اوّل ص ۶۳ پر لکھتے ہیں کہ اور محدثین کرام کے نزدیک جس طرح متشدد اور متعنت کی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ اسی طرح متساہل کی بات بھی قابل التفات نہیں ہوتی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تصحیح حدیث میں بہت زیادہ متساہل ہیں۔'' (ازالۃ الریب طبع اوّل ص ۴۲۲)

''قارئین کرام! محترم مولانا سرفراز صاحب کو ان کے اپنے تحریر کردہ اصولوں اور قواعد میں دیکھتے ہوئے چلے جاؤ اور محترم صاحب کو کوئی کیا کہہ سکتا ہے کیونکہ وہ شیخ الحدیث امام اہل سنت اور سرفراز بھی ہیں۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۵۵)

مولف موصوف نے حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اصولوں کی خلاف ورزی کا طعن دے کر دھوکا دیا ہے۔ اس لئے کہ تفریح الخواطر میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ تصحیح میں متساہل محدث اکیلا ہو اور کوئی غیر متساہل اس کا ساتھ نہ دیتا ہو اور حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کو صرف امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی صحیح نہیں کہا کہ ان کے تساہل کی وجہ سے طعن کر کے اس روایت کو رد کر دیا جائے بلکہ ان کے علاوہ کئی غیر متساہل محدثین کرام نے بھی اس کو صحیح کہا ہے جن کے حوالے تسکین الصدور میں مذکور ہیں۔

پھر مولف آئینہ تسکین الصدور جیسا دلائل سے خالی ہاتھ آدمی حضرت مولانا صفدر صاحب کو کہہ بھی کیا سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ دلائل سے مسلح اور نصف صدی کے قریب حدیث پڑھانے والے شیخ الحدیث ہیں، جن

کو علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر حضرات علماء کرام نے امام اہل سنت کے خطاب سے نوازا اور وہ سرفراز ہونے میں اسم بامسمی ہیں۔ بے شک مخالف اس سے کتنے ہی چیں بچیں ہوتے رہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء!

دھوکہ نمبر ۱۹: {مولف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے تسکین الصدور میں حیات الانبیاء کے بارہ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اجماع کے قول کا اعتبار کیا ہے اور اتمام البرہان میں حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کے مسئلہ میں ان کے اجماع کے قول کو نہ صرف رد کیا ہے بلکہ ان کو اہل بدعت میں شمار کیا ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور دعویٰ اجماع کے عنوان کے تحت تسکین الصدور کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی باحوالہ عبارات تسکین الصدور میں درج کی ہیں کہ عند القبور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (**مصلہ**) جناب اسی کا نام اجماع ہے۔ (تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۸۳، ۲۸۴)

پھر مولف موصوف اس عبارت پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اب سنئے مولانا صاحب اتمام البرہان ج ۳ ص ۶۶ پر ایک بریلوی کا حوالہ نقل کرنے کے بعد جواب میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے قول تواتر کا انکار کرتے ہیں۔ بریلوی نے اپنی تائید میں مولانا گنگوہی کا جو حوالہ نقل کیا اس کو تحریر فرماتے ہیں کہ مولوی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سفینۂ دیوبند کے ناخدا امداد السلوک ص ۸۶ میں لکھتے ہیں۔ تواتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سواء تمام اجسام کا سایہ ہوتا ہے۔

مولانا سرفراز صاحب کا جواب

الجواب: ہم بقدر امکان ترتیب سے جواب عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ جب دلائل قطعیہ اور براہین ساطعہ سے آنحضرت ﷺ کی بشریت ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے آپ کا سایہ بھی ثابت ہے تو اہل سنت والجماعت ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کیونکر یہ عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا اور یہ اہل سنت کا مختار کیسے ہوسکتا ہے۔ البتہ اہل بدعت کا عقیدہ ضرور ہے اور انہی کے لئے یہ مناسب بھی ہے۔ کیونکہ حق اور صحیح دلایل کے ساتھ انہی کا خدا واسطے کا بیر ہوا کرتا ہے اور وہی ایسا عقیدہ رکھ سکتے ہیں۔ (اتمام البرہان ج ۳ ص ۶۸)

تبصرہ: مولانا محترم سرفراز صاحب نے یہاں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے قول تواتر کا انکار کیا ہے اور مولانا گنگوہی صاحب کو اہل بدعت سے شمار کر رہے ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۵۵ تا ۵۷)

یوں تو مولف آئینہ تسکین الصدور نے اپنی کتاب کے اوّل سے آخر تک ہر بحث میں دھوکہ دیا ہے۔ مگر یہاں انہوں نے دھوکہ دہی کی انتہاء کردی ہے۔ اس لئے کہ جب مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ ہم ترتیب وار معترض کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں اور حضرت گنگوہی کی عبارت جو بریلوی عالم نے پیش کی تھی، اس کا جواب گیارہ میں دیا ہے جس سے ایک عام سطحی ذہن کا آدمی بھی معلوم کرسکتا ہے کہ اس سے پہلے کی عبارت حضرت گنگوہی سے متعلق نہیں ہے۔ پھر حضرت گنگوہی کے قول تواتر سے انکار کی وجہ بھی بیان کردی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضرت گنگوہی کا وہ نظریہ نہیں جو اہل بدعت کا ہے اور ان کی اپنی عبارات سے اس مسئلہ کی وضاحت کردی گئی ہے تو اس واضح صورتحال کے باوجود دھوکہ باز یہ دھوکہ دے رہا ہے کہ مولانا صفدر صاحب نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اہل بدعت سے شمار کیا ہے۔ (العیاذ باللہ)

پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ ہونے کے بارہ میں تواتر کا قول صرف حضرت

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کی مناسب توجیہ بھی اتمام البرہان میں کردی گئی ہے۔ جب کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عند القبور سماع کے اجماعی ہونے کا قول صرف حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں بلکہ ایسا اور بھی بہت سے محدثین کرام نے فرمایا ہے۔ جن کے حوالے تسکین الصدور میں مذکور ہیں۔

اس لئے مؤلف آئینہ تسکین الصدور کا مولانا صفدر صاحب کی جانب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اہل بدعت سے شمار کی نسبت کرنا دھوکہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی دھوکہ ہے کہ وہ اتمام البرہان میں تواتر کے قول کی نفی کو آڑ بنا کر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبور کے تواتر سے انکار ثابت کرانا چاہتے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۲۰: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کو کسی نے صحیح نہیں کہا۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' سے متعلق تسکین الصدور میں کی گئی بحث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الجواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کو کوئی بھی صحیح کہنے والا نہیں اور جنہوں نے کہا تو انہوں نے یہ کہا ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۶۰)

مؤلف موصوف نے یا تو تعصب کی وجہ سے تسکین الصدور کا مطالعہ ہی نہیں کیا یا پھر اپنے حواریوں کو خوش رکھنے کے لئے دھوکہ دے رہے ہیں اور ظاہر کر رہے ہیں کہ اس حدیث کو اوّل تو کسی محدث نے صحیح کہا ہی نہیں اور جنہوں نے کہا ہے تو انہوں نے بھی یہ کہا ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

حالانکہ تسکین الصدور میں باحوالہ ذکر کیا گیا ہے کہ علامہ سبکی، علامہ عزیزی، ملا علی قاری، قاضی شوکانی اور حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری وغیرہم محدثین رحمہم اللہ اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔ (تسکین الصدور ص ۲۲۰ تا ۲۲۲)

دھوکہ نمبر ۲۱: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں معوذتین قرآن کریم میں سے نہ ہونے کی ازرق بن علی سے مروی روایت موضوع ہے تو اس کی مروی ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کی حدیث سولہ آنے کیسے صحیح ہوگئی؟}

مؤلف آئینہ تسکین لکھتے ہیں اور پھر ابو یعلی الموصلی کی سند میں ابو یعلی کا استاد ازرق بن علی ہے جس نے وہ موضوع حدیث بیان کی ہے جس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ پھر مؤلف موصوف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں معوذتین کے قرآن میں سے نہ ہونے کی روایات کے بطلان کی عبارات نقل کر کے لکھتے ہیں۔

اب کیا وجہ ہے کہ اس راوی کی وجہ سے معوذتین کے قرآن میں سے نہ ہونے کی روایت تو موضوع ہو مگر ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کی حدیث سولہ آنے صحیح ہو۔ اگرچہ اس کا راوی ازرق بن علی ہو۔

(آئینہ تسکین الصدور ص ۶۲، ۶۳)

مؤلف آئینہ تسکین الصدور یہاں بھی دھوکہ دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک معوذتین قرآن کریم میں سے نہ ہونے کی روایات کو موضوع قرار دینے والوں میں سے کسی نے بھی اس وضع کا الزام ازرق بن علی پر نہیں لگایا اور نہ ہی صرف موضوع روایت کو بیان کرنے سے راوی واضع قرار پاتا ہے۔ ورنہ تو امام ابن ماجہ اور امام احمد جیسے حضرات بھی اسی زمرہ میں شمار کئے جائیں گے۔ جن کی کتابوں میں بعض موضوع روایات پائی جاتی ہیں۔ پھر ازرق بن علی کے بارہ میں یغرب کے الفاظ کہے گئے ہیں اور محدثین کا قاعدہ ہے کہ محض

غرابت صحت کے منافی نہیں ہے اور نہ ہی غرابت کی وجہ سے راوی متروک ہوتا ہے۔ معوذتین کے بارہ میں ازرق بن علی سے مروی روایت قاعدہ کے مطابق متروک ہے۔ اس لئے کہ اس میں وہ اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت کر رہا ہے۔ اس لئے کہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن کریم میں سے مانتے تھے۔ جب کہ ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' میں ایسی صورت حال نہیں ہے۔

لہٰذا مؤلف موصوف کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کی جانے والی موضوع روایت کو بیان کرنے کی وجہ سے ازرق بن علی سے مروی ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کو رد کرنا صرف عوام الناس کو دھوکا دینا ہے۔

پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ہم علامہ البانی کے حوالے سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' والی حدیث میں ازرق بن علی متفرد بھی نہیں ہے بلکہ اس کا تابع عبداللہ بن محمد بن یحییٰ موجود ہے۔ جس کو خطیب بغدادی ثقہ کہتے ہیں۔ اس لئے ازرق بن علی کے بارہ میں یغرب کی وجہ سے جو معمولی کمزوری روایت میں ہو سکتی تھی، وہ بھی متابعت کی وجہ سے نہ رہی۔

<u>دھوکہ نمبر ۲۲</u>: {مؤلف موصوف کا اپنی اور اپنے طبقہ کی خفت مٹانے کی کوشش میں فضول چیلنج۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور مولانا محترم کو چیلنج کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔ ہم اس کے پیش نظر محترم صاحب کو چیلنج کرتے ہیں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عندالقبر سماع پر صحیح سند کے ساتھ ثبوت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین سے تا قیامت پیش نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ آپ نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر ثبوت نہیں تو پھر آپ کا ان ہستیوں پر بہتان عظیم نہیں تو اور کیا ہے؟ (آئینہ تسکین الصدور ص ۶۳، ۶۴)

مؤلف موصوف نے اپنے حواریوں کو خوش رکھنے اور عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہوئے یہ چیلنج دیا ہے۔ اس لئے کہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ہی علامہ نیلوی صاحب کو چیلنج دیا تھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عندالقبر سماع پر متفق تھے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر آپ میں ہمت اور جرأت ہے تو ایک حوالہ ہی صریح ثابت کر دیں۔'' و لا یمکن ذالک انشاء اللہ تعالیٰ'' (تسکین الصدور ص ۲۹۳، ۲۹۴)

اس کے بعد مؤلف آئینہ تسکین الصدور اور ان کے طبقہ کا فریضہ تھا کہ کوئی حوالہ تلاش کر کے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیش کرتے۔ مگر اپنی خفت مٹانے اور عوام الناس کو دھوکہ دینے کی خاطر یہ چیلنج کر دیا۔

مؤلف آئینہ تسکین الصدور کے اس چیلنج کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں کہ آپ کے چیلنج سے پہلے ہی جب تسکین الصدور میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر مبارک میں عندالقبر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کے صلوٰۃ وسلام سننے اور دور سے پڑھے جانے والوں کے صلوٰۃ وسلام پیش کئے جانے کی باحوالہ حضرات محدثین کی تصحیح وتحسین سے آراستہ روایات ذکر کی گئی ہیں۔ جب کہ کسی صحابہ سے اس کے خلاف کوئی روایت مذکور نہیں ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر شفاعت کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ اس کا ثبوت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور ان کے ایک گونہ اجماع اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید وتصویب سے ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۴۷)

جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے واضح اور صریح روایات موجود ہیں اور کسی صحابی سے اختلاف منقول نہیں ہے تو اس کو اجماع سے تعبیر کرنے سے انکار صرف ضدی اور متعصب ہی کر سکتا ہے اور اس کے باوجود چیلنج صرف اپنے حواریوں

کولوری دے کر سلانے کی ناکام کوشش کرنے والا ہی دے سکتا ہے۔ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ نیلوی صاحب کو جو چیلنج دیا تھا، ہم اس میں کچھ نرمی کرتے ہوئے مؤلف آئینہ تسکین الصدور اور ان کے طبقہ کو چیلنج کرتے ہیں کہ آپ لوگ مولانا صفدر صاحب کی جمہور کے نظریہ کی تائید میں پیش کی جانے والی روایات کے درجہ کی کوئی ایک صریح حدیث پیش کرنے سے تو قاصر اور عاجز ہی ہیں تو چلو ذخیرہ احادیث سے کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث ہی پیش کر دیں جس میں صراحت ہو کہ انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کے صلوٰۃ وسلام کو نہیں سنتے اور نہ ہی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی قبر میں جسم اطہر کے ساتھ حیات کا تعلق ہے۔ ''فان لم تفعلوا و لن تفعلوا'' تو پھر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے چیلنج کے بارہ میں سوچو کہ یہ کس قدر فضول حرکت ہے۔

دھوکہ نمبر ۲۳: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کی یہ بات خلاف واقعہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''مامن احد یسلم علی'' والی روایت پر اعتماد کیا ہے۔}

تسکین الصدور میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت ''مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام'' پیش کرنے کے بعد لکھا گیا کہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ یہ صاحب تسکین کی بات بالکل خلاف واقعہ ہے کہ امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ جب کہ امام احمد نے خود اس حدیث کے راوی یزید بن عبداللہ بن قسیط پر جرح فرمائی ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا۔ جیسا کہ ''کتاب العلل و معرفۃ الرجال'' (ج اوّل ص ۳۷۹ نمبر ۲۴۹۳) میں ہے۔ ''سالتہ عن یزید بن عبداللہ بن قسیط و ابن حرملۃ فقال ما اقربھما'' تو آپ نے فرمایا کہ میں تو ان کے پاس بھی نہیں جاتا۔ نیز الجرح والتعدیل ج ۹ ص ۲۷۴ میں ابن ابی حاتم نے فرمایا: ''سئل ابی عن یزید بن عبداللہ بن قسیط فقال لیس بقوی'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۶۴، ۶۵)

قارئین کرام! (تسکین الصدور ص ۲۹۷) میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ یزید بن عبداللہ بن قسیط بخاری و مسلم اور دیگر صحاح ستہ کے راوی ہیں اور جمہور محدثین ان کی توثیق کرتے ہیں۔ امام ابوحاتم نے ان کو اس لئے ''لیس بقوی'' کہا تھا کہ امام مالک ان پر راضی نہ تھے۔ لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام ابن عبدالبر نے ابوحاتم کا رد کیا ہے اور پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ امام مالک نے موطا میں کئی مقامات پر ان سے احتجاج کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۴۳)

اس وضاحت کے بعد مؤلف آئینہ تسکین الصدور کا فریضہ تھا کہ اس کا جواب لکھتے اور امام سبکی اور علامہ ابن حجر کی تحقیق کے مقابلہ میں ابوحاتم کی بات کو کسی دلیل سے قوی ثابت کرتے۔ تاکہ ان کے ابوحاتم کی بات کو لے کر اعتراض کرنے میں کچھ وزن ہوتا مگر اس سے وہ سراسر قاصر و عاجز تھے۔ اس لئے اپنے حواریوں کو خوش رکھنے کے لئے ابوحاتم کے قول کا سہارا لے کر اعتراض کر کے اپنا مقصد پورا کیا۔

پھر کتاب العلل سے امام احمد کی جانب منسوب جو قول نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں یزید بن عبداللہ بن قسیط اور ابن حرملہ کے پاس بھی نہیں جاتا تو اس سے حسی طور پر نہ جانا تو مراد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ تسکین الصدور میں علامہ ابن سعد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یزید بن عبداللہ بن قسیط کی وفات ۱۲۲ھ میں ہوئی؟ اور یہ توثیقی اور واضح بات ہے کہ امام احمد کی ولادت اس سے بعد کی ہے۔ جب ''ما اقربھما'' سے حسی طور پر جانا مراد نہیں ہو سکتا تو پھر معنی ہوگا کہ میں ان کی روایات کو نہیں لیتا۔ حالانکہ یہ بھی درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہی ''مامن احد یسلم علی'' والی روایت اسی یزید بن عبداللہ بن قسیط کی سند

سے مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷ میں موجود ہے۔ جب "ما اقر بھما" کے الفاظ کا مفہوم حسی اور معنوی دونوں لحاظ سے امام احمد سے ثابت نہیں ہوسکتا تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ کتاب العلل میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب یہ قول محل نظر ہے۔

اس صورتحال میں مؤلف آئینہ تسکین الصدور کا یہ کہنا کہ صاحب تسکین کی بات بالکل خلاف واقعہ ہے کہ امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ اس پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ مؤلف موصوف کا یہ اعتراض بالکل بے دلیل اور بے تحقیق اور خالص دھوکہ ہے جس کی جانب علمی دنیا میں کوئی توجہ نہیں دی جاسکتی۔

دھوکہ نمبر ۲۴: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ بے شک علامہ ابن حجر نے اس روایت کے بارہ میں رواتہ ثقات کہا ہے۔ مگر ان کے شاگرد علامہ سخاوی کے نزدیک پھر بھی یہ روایت ضعیف ہے۔}

تسکین الصدور میں لکھا گیا ہے کہ علامہ ابن حجر نے "ما من احد یسلم علی" والی روایت کے بارہ میں فرمایا کہ: "رواتہ ثقات" اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اس پر اعتراض کرتے ہوئے مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ اس کے متعلق خود ابن حجر کے شاگرد علامہ سخاوی کا فیصلہ سن لیجئے کہ ان کے نزدیک اپنے شیخ کا "رواتہ ثقات" پیش نظر ہونے کے باوجود اس روایت کی حیثیت ان کے سامنے کیا ہے۔

پھر انہوں نے "القول البدیع" کے حوالہ سے علامہ سخاوی کی عربی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ علامہ شمس الدین السخاوی کی عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ: "رواتہ ثقات" کے باوجود ان کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۶۵، ۶۶ ملخصاً)

مؤلف آئینہ تسکین الصدور نے امام سخاوی کی عبارت پیش کر کے جو اعتراض کیا ہے اس کا تفصیلی جواب (تسکین الصدور ص ۲۹۷، ۲۹۸) میں موجود ہے۔ پھر مؤلف موصوف کا یہ کہنا کہ امام سخاوی کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے اس لئے کہ ان کی عبارت میں کوئی صراحت موجود نہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور انہوں نے اس کے بارہ میں جو بحث فرمائی ہے اس کی وضاحت بھی تسکین الصدور میں کردی گئی ہے کہ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام سخاوی "فیہ نظر" سے جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اس حدیث کو جزماً صحیح نہیں کہا جاسکتا۔ ان کا جو اختلاف ہے وہ محدثانہ نقطہ نظر سے لفظ صحت کے اطلاق میں ہے۔ اس کے حسن ہونے میں تو ان کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۹۸)

اگر مؤلف آئینہ تسکین الصدور نے تسکین الصدور کی تردید میں قلم اٹھایا ہی تھا تو تسکین الصدور کی اس عبارت کا کسی معقول اور قابل اعتماد دلیل سے رد کرتے کہ امام سخاوی کے نزدیک یہ حدیث حسن نہیں ہے۔ مگر ایسا ان سے کہاں ہوسکتا تھا۔ صرف امام سخاوی کی اس حدیث پر محدثانہ نقطہ نظر سے بحث کو ضعیف سے تعبیر کردیا۔ پھر مؤلف موصوف اپنی ناکام کوشش سے امام سخاوی کی جانب اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کی نسبت کر کے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور میں حیات کے انکار کے نظریہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جب کہ امام سخاوی تو کھلے الفاظ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس کو اجماعی مسئلہ بتاتے ہیں اور ان کی عبارت تسکین الصدور میں یوں نقل کی گئی ہے۔ "نحن نومن و نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تاکلہ الارض والاجماع علی ھذا" (القول البدیع ص ۱۲۵ طبع الہ آباد بحوالہ تسکین الصدور ص ۲۹۹)

ہم اس بات پر ایمان لاتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔ اتنی واضح صورتحال کے باوجود مولف آئینہ تسکین الصدور کا امام سخاوی کی اس حدیث کے بارہ میں محدثانہ بحث کو بزعم خود ضعیف سے تعبیر کر کے امام سخاوی کے نظریہ ثابت کرنے کی کوشش دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے؟

دھوکہ نمبر ۲۵: {مولف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے بریلوی عالم مفتی احمد یار خان کے جواب میں کہا کہ کسی محدث کے "لا یصح" کہنے سے اس کے نزدیک حدیث ضعیف ثابت ہوتی ہے اور خود امام سخاوی کے امام نووی کی تصحیح کا رد کرنے کے باوجود ان کے نزدیک حدیث کو ضعیف نہیں بلکہ حسن بتا رہے ہیں۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب کو یہاں اشکال وارد ہوا ہے وہ یہ ہے کہ آپ تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۹۰ میں فرماتے ہیں کہ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام سخاوی "فیہ نظر" سے جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اس حدیث کو جزماً صحیح نہیں کہا جا سکتا اور ان کا جو اختلاف ہے وہ محدثانہ نظر سے لفظ صحت کے اطلاق میں ہے۔ اس کے حسن ہونے میں تو ان کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ اس کا جواب مولانا صاحب اپنی زبان سے آپ لے لیں اور پھر مولانا صفدر صاحب نے مفتی احمد یار خان صاحب کے جواب میں جو فرمایا اس جواب کو نقل کرتے ہیں۔ مگر مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی محدث جب مطلق "لا یصح" کہتا ہے تو اس کا مطلب اس کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اگر حدیث حسن ہوتی تو اس کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ حسن ہے یا "لیس بصحیح بل حسن" وغیرہ سے اس کو تعبیر کرتے ہیں۔ مطلق "لا یصح" سے حسن سمجھنا "قلت فهم" کا نتیجہ ہے۔ (راہ سنت ص ۲۲۴ طبع پنجم)

اگر مولانا صاحب اپنے اس قانون کو تسکین الصدور میں برقرار رکھتے تو ہمیں حوالہ نقل کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۶۷، ۶۸)

بفضلہ تعالیٰ مولانا صفدر صاحب کو اشکال نہیں ہوا بلکہ "قلت فهم" کے نتیجہ میں خود مولف آئینہ تسکین الصدور اشکال میں پڑ گئے ہیں۔ اس لئے کہ قانون (کسی محدث کے محض تصحیح سے اختلاف کرنے کی صورت میں نہیں بلکہ) اس صورت میں ہے جب کہ محدث کسی حدیث کے بارہ میں "لا یصح" کے الفاظ کہے اور امام سخاوی نے امام نووی رحمہ اللہ کی تصحیح کے جواب میں لا یصح کے الفاظ نہیں فرمائے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ یقین کے ساتھ اس کو صحیح نہیں کہا جا سکتا۔

اور خود مولف موصوف نے ان کی جو عربی عبارت نقل کی ہے جو یقین کے ساتھ اس حدیث کو صحیح کہنے سے مانع ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۶۶)

جب قانون محدث کے "لا یصح" کے الفاظ کہنے کے بارہ میں ہے اور امام سخاوی نے "لا یصح" کے الفاظ فرمائے ہی نہیں تو اشکال میں مولانا صفدر صاحب نہیں بلکہ خود مولف آئینہ تسکین الصدور پڑے ہیں کہ وہ "لا یصح" اور "وهو يمنع من الجزم بصحة" کے درمیان فرق ہی نہیں کر سکے۔

مفتی احمد یار خان صاحب نے ایسی حدیث کو حسن ثابت کرنے کی کوشش کی تھی جس کے بارہ میں "لا یصح" کے الفاظ کہے گئے ہیں تو قانون کے مطابق ان سے کہا گیا کہ اس حدیث کو حسن نہیں کہا جا سکتا اور امام سخاوی نے یہ فرمایا کہ یقین کے ساتھ اس کو صحیح نہیں کہا جا سکتا تو اس کا مطلب واضح ہے کہ اس کا درجہ صحیح سے کم ہے اور صحیح سے

کم درجہ حسن کا ہوتا ہے۔ ایسی بات کو فن حدیث سے معمولی دسترس رکھنے والا بھی جانتا ہے۔ مگر مؤلف آئینہ تسکین الصدور خود ''قلت فھم'' کے نتیجہ میں اشکال میں پڑ کر اشکال میں پڑنے کا الزام مولانا صفدر صاحب پر لگا رہے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۲۶: { مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے بریلوی عالم کو طعن دیا کہ وہ الجامع الصغیر سے روایت نقل کرنے کے باوجود اس کے بارہ میں ضعیف کے الفاظ کیوں کھا گئے اور خود الجامع الصغیر سے ''ض'' (ضعیف) کے الفاظ کھا گئے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ اسی طرح صاحب تسکین الصدور اپنی ایک اور تصنیف تفریح الخواطر اشاعت اوّل ص ۳۶۴) پر ایک حدیث کے متعلق ایک بریلوی کو جواب دیتے ہیں کہ ''حدیث حسن'' کا الفاظ تو نقل کر دیئے مگر خاتم الحفاظ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الجامع الصغیر سے (باوجود ان کا حوالہ نقل کرنے کے) اس روایت کے بارہ میں ''ض'' (ضعیف) کیوں کھا گئے۔ (الجامع الصغیر جلد اوّل ص ۹۴)

مگر مولانا سرفراز صاحب اس حدیث ''ما من احد یسلم علی الا ارد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام'' کے بعد خاتم الحفاظ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الجامع الصغیر ص ۷ ۴ سے ''ض'' (ضعیف) کیوں کھا گئے۔ آخر امام سیوطی کی کتاب آپ کے پیش نظر بھی ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۶۸)

مؤلف موصوف نے قیاس مع الفارق سے کام لیتے ہوئے دھوکہ دیا ہے۔ اس لئے کہ مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بریلوی عالم پر اعتراض یہ تھا کہ انہوں نے جب ''الجامع الصغیر'' کا حوالہ نقل کیا ہے تو ان کا فریضہ تھا کہ اس کے بارہ میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث کے بارہ میں فیصلہ بھی نقل کرتے مگر ایسا نہ کر کے انہوں نے خیانت کی ہے اور یہ کہنا بجا تھا کہ وہ ''ض'' (ضعیف) کے الفاظ کو کیوں کھا گئے۔ جب کہ مولانا صفدر صاحب نے ''ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی'' والی روایت میں ''الجامع الصغیر'' کا حوالہ دیا ہی نہیں کہ ان پر اعتراض ہو سکے کہ تم اس کے بارہ میں ضعیف کے الفاظ کیوں کھا گئے۔

باقی رہا یہ سوال کہ مولانا صفدر صاحب کے پیش نظر الجامع الصغیر تھی اس کے باوجود اس کا حوالہ نہیں دیا تو یہ سوال بالکل لایعنی ہے۔ اس لئے کہ ہر مصنف اپنے نظریہ پر اپنے معیار کے مطابق دلائل پیش کرتا ہے اور جب دوسری جانب سے اس کے خلاف دلیل پیش کی جائے تو اس کا جواب دیتا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بے شک ''ما من احد یسلم علی'' والی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ مگر اس کی وجہ کوئی بیان نہیں فرمائی۔ اس کے برخلاف بہت سے محدثین کرام نے اس روایت کو حسن بلکہ صحیح تک کہا ہے جن کے حوالے تسکین الصدور میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ اس روایت پر امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اعتراضات کئے تھے تو ان کے جوابات تسکین الصدور میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اگر امام السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی اس بارہ میں اعتراض وہی ہیں جو امام سخاوی نے کئے تھے تو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراضات کے جواب بھی ہو گئے اور اگر مؤلف آئینہ تسکین الصدور اور ان کے طبقہ کے ہاں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض امام سخاوی سے الگ ہیں تو وہ ان کی وضاحت سے نشاندہی کریں تاکہ ان کا جائزہ لیا جا سکے۔

دھوکہ نمبر ۲۷: { مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے علامہ عزیزی کے ''اسنادہ حسن'' کہنے کو تائید میں لیا ہے۔ حالانکہ خود ان کو متساہل کہا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ پھر مولانا صاحب، علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی تائید میں لائے۔

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: علامہ عزیزی لکھتے ہیں: ''اسنادہ حسن'' (السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۹) کہ اس کی سند حسن ہے۔ (تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۸۷) تو اس کا جواب بھی اپنی زبان سے آپ لے لیں۔ جیسا کہ آپ نے ایک بریلوی عالم کو جواب دیا جو (تفریح الخواطر ص ۳۶۳، ۳۶۴) پر لکھا ہے۔

اوّل صوفی صاحب نے علامہ عزیزی سے جو تصحیح اور تحسین کے باب میں خاصے متساہل ہیں اور محدثین کرام کے نزدیک جس طرح متشدد اور متعنت کی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ اسی طرح متساہل کی بات بھی قابل التفات نہیں ہوتی۔

جب علامہ عزیزی صاحب متساہلین کی فہرست میں داخل ہیں یا جب علامہ عزیزی صاحب متساہل ہیں تو ان کو تائید کے طور پر پیش کرنے سے کیا حاصل؟ شاید یہ سارے قانون دوسروں کے لئے ہیں۔ مولانا سرفراز خان صاحب اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۶۸، ۶۹)

مؤلف موصوف دھوکہ دہی سے کام لیتے ہوئے مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ کی جانب سے بریلوی عالم کو دیئے گئے جواب اور ان کے ''مامن احد یسلم علی'' والی حدیث میں علامہ عزیزی کے اسنادہ حسن کو تائید میں لینے کو بزعم خود متعارض قرار دے کر قانون کی خلاف ورزی کا طعن دے رہے ہیں۔ حالانکہ دونوں باتوں میں نمایاں فرق ہے۔ بریلوی عالم نے علامہ عزیزی سے ''اسنادہ حسن'' نقل کیا ہے تو اس میں علامہ عزیزی اکیلے ہیں، ان کے ساتھ کوئی اور محدث حسن کہنے والا نہیں ہے اور اکیلے متساہل کی بات معتبر نہیں ہوتی اس لئے قاعدہ کے مطابق بریلوی عالم کو جواب درست قرار دیا گیا ہے۔

اس کے برخلاف ''مامن احد یسلم علی'' والی روایت میں صرف علامہ عزیزی ہی اس کو حسن کہنے والے نہیں بلکہ علامہ ابن حجر نے اس کے بارہ میں ''رواتہ ثقات'' کہا اور امام نووی نے اس کو صحیح کہا اور علامہ سمہودی نے ''روی ابو داود باسناد صحیح'' کہا اور امام ابوداؤد نے اس روایت کو بیان کر کے اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور حضرات محدثین کرام نے امام ابوداؤد کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ''ماسکت عنہ فھو صالح'' کہ جس روایت پر میں سکوت کروں تو وہ قابل استدلال ہوتی ہے۔ جب ''مامن احد یسلم علی'' والی روایت کو حسن کہنے میں علامہ عزیزی اکیلے نہیں بلکہ دیگر محدثین کرام نے بھی حسن یا صحیح کہا ہے تو اس روایت کا معاملہ بریلوی عالم کی جانب سے پیش کی گئی روایت کے برابر قرار دے کر اس کو رد کا بہانہ بنانا سراسر دھوکہ ہے۔

<u>دھوکہ نمبر ۲۸</u>: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ جب ''مامن احد یسلم علی'' والی روایت کے دو راویوں پر علامہ نیلوی صاحب نے مفصل جرح کر دی ہے تو مولانا صفدر صاحب کو یہ حدیث ضعیف ماننی چاہئے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ حضرت علامہ سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مدظلہ العالی نے (ندائے حق جز ثانی از جلد اوّل ص ۱۳۲، ۱۳۳) پر اس حدیث کے دو راویوں ابوصخر حمید بن زیاد اور یزید بن عبداللہ بن قسیط پر مفصل جرح کر دی ہے تو مولانا صاحب کے قانون کے مطابق جیسا کہ انہوں نے (تفریح الخواطر ص ۳۶۴) پر بیان فرمایا ہے کہ فن حدیث میں سب سے پہلی اور بنیادی چیز حدیث کی سند اور اس کے رواۃ اور ان کی توثیق وتضعیف ہے۔ جب بحوالہ ائمہ جرح وتعدیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں راوی ضعیف ہے تو اصول حدیث کی رو سے یہ صحیح اور معقول جواب ہوتا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۶۹)

مؤلف موصوف اس عبارت سے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ جو جرح علامہ نیلوی نے ان دو راویوں پر کی ہے وہ اس جرح کی طرح ہے جو بریلوی عالم کی پیش کردہ روایت پر ہے۔ حالانکہ یہ محض دھوکہ ہے۔ اس لئے کہ بریلوی

عالم نے جو روایت پیش کی ہے اس کے راویوں پر ایسی شدید جرح ہے کہ خود بریلوی عالم کو تسلیم کرنا پڑا کہ اگر اس حدیث کو سب سے کم درجہ دیا جائے تو صرف یہ ہی کہا جا سکتا ہے یہ حدیث ضعیف ہے۔ (بحوالہ تفریح الخواطر ص ۳۶۴)

اس سے واضح ہو گیا کہ بریلوی عالم کی جانب سے پیش کردہ روایت خود اس کے نزدیک بھی ضعیف ہے اور کسی معتبر محدث سے قابل اعتماد تعدیل منقول نہیں۔ اس کے برخلاف علامہ نیلوی نے جن راویوں پر جرح نقل کی ہے ان کے بارہ میں قابل اعتماد ائمہ جرح و تعدیل سے توثیق کے کلمات با حوالہ تسکین الصدور میں نقل کئے گئے ہیں اور ایسے راویوں کی روایت حسن درجہ سے کم نہیں ہوتی۔

جب دونوں باتوں میں حضرات محدثین کرام کے قواعد کے مطابق نمایاں فرق ہے تو دونوں کو ایک جیسا قرار دے کر مولانا صفدر صاحب پر قاعدہ کی خلاف ورزی کا الزام صرف متعصب ہی عائد کر سکتا ہے۔ پھر علامہ نیلوی صاحب نہ تو ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں کہ ان کی بات ماننا ضروری ہو اور نہ ہی وہ معتدل ہیں کہ ان کی بات کو مبنی برانصاف سمجھا جائے بلکہ وہ تو اس مسئلہ میں ان متشددین اور متعصبین میں سے ہیں جو صحیح اور حسن درجہ کی روایات کا بھی بے دھڑک انکار کر رہے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۲۹: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ جب "مامن احد یسلم علی" والی روایت صحیح نہیں تو اس سے یہ مطلب کشید کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خود بنفس نفیس درود شریف سنتے اور جواب دیتے ہیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور ضعیف روایت فضائل اعمال میں معتبر ہونے کے بارہ میں مولانا صفدر صاحب کی جانب سے نقل کردہ تین شرائط ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ جب یہ روایت ہی صحیح نہیں تو اس سے مطلب کشید کرنا کہ آنحضرت ﷺ خود بنفس نفیس سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ جیسا کہ مولانا صاحب نے (تسکین طبع دوم ص ۲۹۰) پر مطلب حدیث یوں لکھا ہے۔

مطلب حدیث: اس صحیح اور حسن (صحیح اور حسن نہ بلکہ ضعیف کما فی الجامع الصغیر ص ۱۴۷ ناقل) حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سلام کہنے والے کا جواب دینے کے لئے آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر کی طرف روح مبارک لوٹائی جاتی ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۷)

مؤلف موصوف نے دھوکہ دہی سے کام لیتے ہوئے ضعیف روایت پر عمل کی شرائط فضول یہاں بیان کی ہیں۔

اس لئے کہ مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات محدثین کرام سے اس کو صحیح اور حسن ثابت کیا ہے اور دور قریب کے علمی آسمانوں مولانا فخر الدین صاحب، مفتی مہدی حسن صاحب، قاری محمد طیب صاحب، مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب، مولانا خیر محمد جالندھری صاحب، مولانا شمس الحق افغانی صاحب، مولانا محمد یوسف بنوری صاحب، مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، مولانا محمد عبد اللہ درخواستی، مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب، مولانا عبد الحق صاحب اکوڑہ خٹک، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمہم اللہ کے علاوہ دیگر کئی سرکردہ حضرات نے ان کی تحقیق پر اعتماد کیا اور ان کی تحریر کردہ کتاب تسکین الصدور پر تقریظات لکھیں۔

اگر علامہ نیلوی صاحب اور مولوی شیر محمد صاحب اور ان کے طبقہ کو یہ روایت ضعیف نظر آتی ہے تو یہ ان کی تحقیق ہے اور ان کی تحقیق ان علمی آسمانوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور مؤلف موصوف کے الجامع الصغیر کے حوالہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دینے کے متعلق بحث ہم پہلے کر چکے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۳۰: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے حدیث کا جو ترجمہ کیا ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام سے پہلے روح جسم اطہر میں نہ تھی۔}

مولف۔ آئینہ تسکین لکھتے ہیں مولانا صاحب کے ترجمہ سے معلوم ہوا کہ سلام کہنے سے پہلے روح جسم اطہر میں نہ تھی تو حیاۃ حقیقیہ دینویہ جسمانیہ عنصریہ کیسے؟ ناقل! (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۷)

اگر مولف موصوف نے تعصب کی پٹی آنکھوں پر نہ باندھی ہوتی تو ان کو تسکین الصدور میں یہ واضح طور پر نظر آ جاتا کہ مولانا صفدر صاحب نے اسی اشکال کو پیش کر کے علامہ ابن حجر، علامہ سبکی، حضرت نانوتوی، حضرت مدنی اور حضرت تھانوی رحمہم اللہ سے اس کا جواب بھی نقل کیا ہے۔ جب اشکال کا جواب تسکین الصدور میں مذکور ہے تو تسکین الصدور پر تنقیدی قلم اٹھانے والوں کا فریضہ یہ تھا کہ اس جواب کا صریح دلائل سے رد کرتے مگر یہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لئے جس اشکال کا جواب دیا جا چکا ہے اسی اشکال کو ذکر کر کے اپنے حواریوں کو خوش رکھنے کی ناکام کوشش کی۔

<u>دھوکہ نمبر ۳۱</u>: {مولف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے حضور علیہ السلام کی قبر مبارک میں سلام پہنچنے کے لئے ملائکہ کے واسطہ کی قید بھی لازم نہیں رکھی۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں اور تسکین طبع دوم ص ۲۹۲) پر توسط ملائکہ کی قید بھی لازمی نہیں رکھی۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعے یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ پس اس روحانی توجہ والتفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۷۲)

مولف موصوف نے جو عبارت نقل کی ہے یہ عبارت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کی ہے۔ اس عبارت کے جملہ ''فرشتہ کے ذریعے یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے'' سے مولف موصوف دھوکہ دے رہے ہیں کہ ملائکہ کے توسط کی قید لازمی نہیں رکھی۔

مولانا نعمانی نے دو مختلف صورتوں کا اختصار سے ذکر کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دور سے درود شریف پڑھا جائے تو فرشتہ کے ذریعے سے اور اگر عند القبر پڑھا جائے تو براہ راست آپ ﷺ سنتے ہیں اور یہی مطلب خود مولانا محمد منظور نعمانی صاحب سے تسکین الصدور میں بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن جن کو اللہ تعالیٰ قبر کے پاس پہنچا دے اور وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کریں تو آپ ﷺ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں۔ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۰، بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۲۵)

مولانا نعمانی کی عبارت کا مطلب خود ان کی اپنی تحریر سے واضح ہے۔ مگر مولف آئینہ تسکین الصدور ''توجیہ القول بما یرضی بہ قائلہ'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے دھوکہ دہی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ چھوڑنے کی شاید قسم کھائے بیٹھے ہیں۔

<u>دھوکہ نمبر ۳۲</u>: {مولف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے امام سخاوی کی عبارت کا کچھ حصہ نقل کیا اور کچھ چھوڑ گئے ہیں۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے ''رواتہ ثقات'' کے الفاظ تو نقل کر دیئے مگر امام سخاوی رحمہ اللہ کی کتاب القول البدیع سے باوجود ان کا حوالہ نقل کرنے کے اس روایت کے بارے میں ''رواتہ ثقات'' سے آگے والی عبارت بالکل ہی چھوڑ گئے ہیں۔

پھر آگے مؤلف موصوف لکھتے ہیں مولانا صاحب سے استفسار خود مولانا کی زبان سے۔ اس کو کیوں کھا گئے۔ آخر اس میں کیا راز ہے؟ اور کہاں کی دیانت ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۷۳، ۷۴)

مؤلف موصوف نے عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے ایسا لکھا ہے۔ ورنہ ان کو معلوم ہوگا کہ صرف عربی عبارت تحریر میں نہ لانے بلکہ اس کے مفہوم کو لے لینے کو چھوڑنا نہیں کہتے۔ اگر عربی عبارت چھوڑی ہے تو کوئی جرم نہیں کیا، جب کہ اس عبارت میں امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اشکال کیا ہے، اس اشکال کو نقل کر کے باقاعدہ اس کا جواب (تسکین الصدور ص ۲۹۸) میں دیا گیا ہے۔ بلکہ خود مؤلف موصوف نے ص ۶۷ پر ایک اشکال اور اس کا جواب کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت تسکین الصدور میں ذکر کردہ اسی مفہوم کا بزعم خود رد کیا ہے جو اسی عبارت کا مفہوم ہے۔ جس کو چھوڑنے کا انہوں نے بہتان باندھا ہے۔

ہم مؤلف موصوف سے استفسار کا حق رکھتے ہیں کہ جب اس عبارت کا مفہوم اور اس میں ذکر کردہ اشکال کا جواب باقاعدہ دیا گیا ہے تو اس کے باوجود عبارت چھوڑنے کا بہتان باندھنا کہاں کی دیانت ہے اور عوام الناس کو دھوکہ دینا کہاں کی علمی خدمت ہے؟

<u>دھوکہ نمبر ۳۳</u>: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے خود لکھا ہے کہ کسی محدث کا کسی راوی سے روایت لینا اس کی توثیق کی دلیل نہیں تو یزید بن عبداللہ بن قسیط کا بخاری وغیرہ کا راوی ہونے کی وجہ سے اس کی توثیق کیوں مانتے ہیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب (تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۸۹) پر تحریر فرماتے ہیں کہ یزید بن عبداللہ بن قسیط بخاری و مسلم و دیگر صحاح ستہ کے راوی ہیں تو مولانا صاحب اس کا جواب بھی خود اپنی زبان سے لے لیں۔ مولانا صاحب نے ایک بریلوی کے جواب میں اخفاء الذکر ص ۱۸ پر تحریر فرمایا اور وہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کسی محدث کا کسی راوی سے روایت کرنا اس کی توثیق کی دلیل نہیں۔ کیونکہ بڑے بڑے کذاب اور دجال راوی بھی ہوئے ہیں جن سے بعض محدثین کرام نے روایتیں لی ہیں اور کتب اسماء الرجال میں اس کی بے شمار نظریں موجود ہیں۔ لہٰذا ابن طہمان اور سفیان ثوری وغیرہ کا اس سے روایت کرنا اس کی ثقاہت کی ہرگز دلیل نہیں۔ (اخفاء الذکر ص ۱۸)

<u>تبصرہ</u>: تو پھر اس قانون کے پیش نظر اس دلیل کی کیا ضرورت تھی کہ یزید بن عبداللہ بن قسیط بخاری و مسلم اور دیگر صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۷۴، ۷۵)

مؤلف موصوف یا تو اپنی جہالت کا نزلہ دوسروں پر گرانا چاہتے ہیں یا پھر دھوکہ دہی سے اپنا چسکہ پورا کر رہے ہیں۔ ورنہ فن حدیث سے معمولی دسترس رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ دو قانون علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک قانون یہ ہے کہ محض کسی محدث کے کسی راوی سے روایت لینے سے اس کی توثیق نہیں ہو جاتی۔ جس سے روایت لی گئی ہے۔ اس کا بیان اخفاء الذکر میں کیا گیا ہے اور دوسرا قانون یہ ہے کہ امام بخاری اور مسلم نے اپنی کتابوں میں صحت کا الزام کرنے کی وجہ سے اور روایت لینے کی کڑی شرائط کی وجہ سے بالا صالہ صرف درجہ اوّل و دوم کے راویوں سے روایات لی ہیں اور بالتبع اس سے نیچے کے راویوں کی روایات لی ہیں۔ جب یہ کہا کہ یہ راوی بخاری اور مسلم کا راوی ہے تو اس کا درجہ بتا دیا کہ یہ حضرات شیخین کی شرائط پر پورا اترنے والا راوی ہے۔ اگر یہ بہت کمزور ہوتا تو صحیحین کا راوی نہ ہوتا۔ جب یہ صحیحین کا راوی ہے تو اس کو بہت ضعیف کہنا درست نہیں ہے۔ جب دونوں اصول الگ الگ ہیں تو اپنی جہالت کی وجہ سے دونوں کو گڈمڈ کر کے اعتراض کرنا اور اصول کی خلاف ورزی کا طعن دینا نری جہالت یا سراسر دھوکہ ہے۔

دھوکہ نمبر ۳۴: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ بخاری و مسلم کا راوی ہونے سے راوی کی توثیق نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ خود مولانا صفدر صاحب نے ابن جریج پر بخاری کا راوی ہونے کے باوجود جرح کی ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ بخاری و مسلم کے راوی ہونے سے توثیق نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ ابن جریج بخاری و مسلم کے راوی ہونے کے باوجود ثقہ نہیں ہوسکتے اور آپ نے ان پر کئی مقامات پر جرح فرمائی ہے۔
(آئینہ تسکین الصدور ص ۷۵)

مؤلف موصوف کی جہالت یا ان کا دھوکہ ہے کہ وہ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ کسی راوی پر جرح سے وہ ثقہ نہیں رہتا اور اسی کے نتیجہ میں لکھا کہ ابن جریج ثقہ نہیں۔

حالانکہ فن حدیث سے معمولی دسترس رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ صرف جرح سے راوی کی ثقاہت ختم نہیں ہوتی بلکہ بعض دفعہ ثقہ راوی پر بھی ایسی جرح ہوتی ہے جو اس کو درجہ ثقاہت سے تو نہیں گراتی مگر وہ اپنے سے اوثق راوی کی بہ نسبت کمزور ہوجاتا ہے یا اس جرح کی وجہ سے اس درجہ سے گر جاتا ہے کہ محض اس کی روایت پر مدار رکھ کر عمل کیا جاسکے۔ ابن جریج پر جرح بھی اس قسم کی ہے، ایسی جرح سے راوی کی ثقاہت ختم نہیں ہوتی جیسا کہ مؤلف موصوف نے سمجھ لیا ہے۔

مؤلف موصوف نے خود مولانا صفدر صاحب کی (راہ سنت ص ۲۶۶) کی عبارت نقل کی ہے۔ جس میں واضح ہے کہ ابن جریج ثقہ ہی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ وثانیاً اس کی سند میں ابن جریج ہیں جو اگرچہ ثقہ تھے مگر تکمیل خواہش کے لئے حیلہ کے قائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے نوے عورتوں سے متعہ کیا تھا اور اس کو جائز سمجھتے تھے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۷۵)

مؤلف موصوف پر حیرانگی ہے کہ اس عبارت کو نقل کرنے کے باوجود یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ جرح کی وجہ سے ابن جریج ثقہ نہیں اور مؤلف موصوف کا یہ کہنا کہ بخاری اور مسلم کے راوی ہونے سے توثیق نہیں ہوسکتی۔ یہ ان کی جہالت یا خالص دھوکہ ہے۔

دھوکہ نمبر ۳۵: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ جب آپ کے نزدیک حضور ﷺ قبر میں درود شریف سنتے ہیں تو قبر میں اتارے جانے سے پہلے کا درود تو فضول ٹھہرا۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ آپ کے نزدیک روح کا اعادہ قبر میں ہوتا ہے تو حضور ﷺ کو قبر میں اتارے جانے سے پہلے پڑھا گیا درود تو فضول ٹھہرا۔ کیونکہ آپ کے نزدیک تو ایسے جسم اطہر کا سوال ہے جس پر درود شریف پیش ہوسکے اور روح کے بغیر یہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۰۶) اور روح کا اعادہ قبر میں ہوتا ہے پہلے نہیں ہوتا۔ (تسکین الصدور ص ۲۵۹، آئینہ تسکین الصدور ص ۷۶)

یہ بھی مؤلف موصوف کا دھوکہ ہے۔ اس لئے کہ مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے اپنا عقیدہ اپنی کتابوں میں وہی بیان کیا ہے جو قرآن و حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے اور بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب میت کو دفنانے کے لئے لے جایا جاتا ہے تو اگر نیک میت ہو تو ''قدمونی قدمونی'' کے الفاظ کہتی ہے کہ مجھے جلدی آگے پہنچاؤ اور اگر میت بری ہو تو کہتی ہے: ''یا ویلھا این تذھبون بھا یسمع صوتھا کل شیئ الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق'' (بخاری ج ۱ ص ۱۷۶)

ہائے افسوس! اس کو کہاں لے جا رہے ہو۔ اس کی آواز انسان کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے اور اگر انسان اس کو سن لے تو بے ہوش ہو جائے اور حنفی محدث حضرت مولانا ملا علی قاری صاحب حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی

روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میت اپنے غسل دینے والے اٹھانے والے کفن پہنانے والے کو اور جو اس کو قبر میں اتارتا ہے اس کو پہچانتی ہے۔ (المرقات ج ۴ ص ۴۲) اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الم ترو االانسان اذا مات شخص بصره قالوا بلیٰ قال فذالک حین یتبع نفسه'' (مسلم جلد اوّل ص ۳۰۱)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی آنکھیں تاڑنے لگ جاتی ہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہاں اسی طرح ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا پس یہ اس وجہ سے ہے کہ اس وقت اس کی آنکھیں روح کا پیچھا کرتی ہیں اور ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت اس کی آنکھیں روح کو جاتے ہوئے دیکھتی ہیں۔ اس لئے تم اس کی آنکھوں کو ایسی حالت میں بند کر دیا کرو۔ جب روح نکل جاتی ہے اور اس کے باوجود آنکھیں اس کو دیکھتی ہیں تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ روح کا تعلق اس جسم کے ساتھ اس قدر باقی رہتا ہے۔ ورنہ روح سے بے تعلق خالی دھڑ کی آنکھیں کیسے روح کا پیچھا کرتی اور اس کو دیکھتی ہیں۔ جب یہ احادیث عام اموات کے بارہ میں ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کا معاملہ تو اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔ ان کے دفنانے سے پہلے تو روح کا تعلق ان کے اجسام سے اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے تو قبر میں اتارے جانے سے پہلے کے درود شریف کو فضول ٹھہرانا صرف اس نظریہ ہو سکتا ہے جو ان تمام روایات کو پس پشت ڈال دے۔

پھر مولف موصوف کا یہ کہنا کہ تمہارے نزدیک روح کا اعادہ دفنانے کے بعد ہوتا ہے تو اس سے مراد ایسا تعلق ہے جس سے سننے کے ساتھ جواب بھی دے سکیں۔ جیسا کہ اس کی تفصیل تسکین الصدور اور سماع الموتی میں بیان کر دی گئی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کے مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے شیخ الحدیث استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب کی عبارت پیش کر دی جائے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔'' کیوں جناب! قبر میں جو مردہ دفن کیا جاتا ہے کیا یہ وہی تو نہیں ہوتا جو جنازہ کی چارپائی پر لوگوں کے کندھوں پر ''قدمونی'' کہا کرتا ہے اور ''یا ویلها این تذهبون بها'' کہتے ہوئے چیختا چلاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''یسمع صوتها کل شیئ الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق'' (بخاری جلد اوّل ص ۱۷۶)

''اگر روح علیین یا سجین میں بند ہے اور واپس نہیں ہوتی تو یہ چیخنا چلانا کون کرتا ہے۔ یہ تو قبر کو پہنچانے سے بھی پہلے آ گئی۔'' (ارشاد العلماء ص ۲۶، ۲۷)

دھوکہ نمبر ۳۶: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے لکھا ہے کہ امام ابن ماجہ نے جو روایت متفرد ہو کر کی ہے، وہ ضعیف ہے اور خود ابن ماجہ کی ایسی روایت کو دلیل بنایا ہے۔}

تسکین الصدور میں ابن ماجہ کے حوالہ سے روایت پیش کی گئی جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو۔ اس پر بحث کرتے ہوئے مولف آئینہ تسکین لکھتے ہیں۔'' لیکن اپنے تحریر کردہ اقوال کا جو دوسری کتب میں مولانا صاحب نے تحریر فرمائے ہیں، مطلقاً خیال نہ کیا کہ میں نے وہاں کیا کچھ اصول اور قواعد تحریر کئے ہیں۔ مثال کے طور پر اپنے اسی ماخذ ابن ماجہ کے متعلق مقام ابی حنیفہ میں ایک قاعدہ کلیہ تحریر فرمایا کہ جو حدیث امام ابن ماجہ نے باقی پانچوں سے منفرد ہو کر روایت کی ہے، وہ ضعیف ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۷۸)

اگر مؤلف موصوف پر تعصب ہی غالب نہ ہوتا تو وہ بنظر انصاف دیکھ سکتے تھے کہ مقام ابی حنیفہ میں اگرچہ بعض محدثین کے اقوال ایسے نقل کئے گئے ہیں۔ مگر آخر میں اپنی رائے حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے ان کے بارہ میں یہ واضح کی ہے کہ صرف وہی حدیثیں قابل رد ہوں گی جن کو معتبر محدثین کرام نے نقلاً وعقلاً مردود قرار دیا ہے۔ باقی سب اپنے مقام میں قابل اخذ وعمل ہے۔ (مقام ابی حنیفہ ص ۲۶۴، ۲۶۵)

جب مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے واضح فرما دیا ہے تو اس کے باوجود مؤلف موصوف کا یہ لکھنا کہ قاعدہ کلیہ یہ بتلایا ہے کہ ابن ماجہ کی منفرد روایت ضعیف ہے اور پھر قاعدہ کی خلاف ورزی کا طعن صرف تعصب کا شاخسانہ ہو سکتا ہے۔

دھوکہ نمبر ۳۷: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے لکھا ہے کہ متن شاذ ہو یا روایت میں کوئی علت ہو تو درجہ اول کے راویوں سے مروی ہونے کے باوجود روایت ضعیف ہوتی ہے، مگر خود مجہول راوی سے مروی روایت کو دلیل میں پیش کیا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں ''اور احسن الکلام میں اپنی تائید کے لئے مؤلف خیر الکلام کا قول نقل کرتے ہیں۔ پس اگر متن شاذ ہو یا اس میں کوئی علت ہو یا ارسال انقطاع کی صورت ہو تو یہ احادیث اگرچہ اول درجہ کے ثقہ راویوں سے ہوں پھر بھی ضعیف ہوں گے۔''

پھر مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس میں راوی زید بن ایمن مستور یا مجہول ہے۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۷۸)

جو اعتراض مؤلف آئینہ تسکین الصدور کر رہے ہیں۔ یہی اعتراض ذکر کر کے تسکین الصدور ص ۳۲۰ میں اس کا جواب دے دیا گیا ہے کہ ''اصول حدیث کے رو سے صحیح اور جید کا ایک ہی درجہ ہے اور حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اس کا اتصال بھی ضروری ہے تو اس لحاظ سے جن حضرات نے اس کو جید کہا ہے۔ گویا ان کے نزدیک اس کا اتصال بھی ثابت ہے۔'' جب یہ اعتراض اور اس کا جواب تسکین الصدور میں مذکور ہے تو اس کے باوجود صرف سوال کر کے عوام الناس کو دھوکہ کیوں دیا جا رہا ہے۔ جرأت تھی تو اس جواب کو کسی معقول اور وزنی دلیل سے رد کیا جاتا مگر اس کی ہمت مؤلف موصوف اور ان کے طبقہ کے ہاں کہاں؟

دھوکہ نمبر ۳۸: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے ''تہذیب التہذیب'' سے ''قلت رجالہ ثقات'' کے الفاظ تو نقل کر دیئے مگر اس سے آگے عبارت کو صاف چھوڑ گئے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور نیل الاوطار اور الصارم المنکی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ جن میں ہے کہ امام بخاری نے فرمایا ہے کہ زید بن ایمن کی عبادہ بن نسی سے روایت مرسل ہے اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ اس روایت میں انقطاع ہے۔

پھر مؤلف موصوف لکھتے ہیں ''مگر مذکورہ کتب صاحب تسکین الصدور کے زیر مطالعہ ہونے کے باوجود ان کی عبارتیں نقل نہیں کیں۔ خصوصاً تہذیب التہذیب کا حوالہ ''قلت رجالہ ثقات'' تو نقل کر دیا مگر ''قال البخاری زید بن ایمن عن عبادۃ مرسل'' متصل لکھی ہوئی عبارت بھی نقل نہیں فرمائی، صاف چھوڑ گئے۔ اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ مولانا صاحب نے تیزی کے ساتھ مطالعہ کرنے میں کتاب بند کر دی یا کہ ان الفاظ کو کسی مصلحت کی وجہ سے نقل نہیں فرمایا۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۸۲، ۸۳)

مؤلف موصوف نے تعصب کی پٹی اتنے زور سے اپنی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے کہ ان کو صاف اور واضح عبارات بھی نظر نہیں آ رہیں۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ صرف عربی عبارت نقل نہ کرنے بلکہ اس کے مفہوم کو زیر بحث لانے کو چھوڑ نا نہیں کہتے بلکہ چھوڑ نا وہ ہوتا ہے کہ اس کے مفہوم کی جانب ہی توجہ نہ کی جائے۔ مؤلف موصوف نے جس عبارت کو چھوڑنے کا الزام لگایا ہے اس کے مفہوم کو تسکین الصدور ص ۳۱۹ میں زیر بحث لایا گیا اور صاف لکھا ہے کہ ”امام بخاری فرماتے ہیں کہ زید بن ایمن کی عبادۃ بن نسی سے روایت مرسل ہے۔“ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۸)

اب کوئی مؤلف موصوف سے پوچھے کہ بھلے مانس کیا یہ ”قال البخاری زید بن ایمن عن عبادۃ مرسل“ کا ترجمہ نہیں ہے اور کیا اس کے ساتھ تہذیب التہذیب کا حوالہ دینا ”رجالہ ثقات“ کے آگے کی عبارت کا حوالہ نہیں ہے۔ مگر ستیاناس ہو۔ تعصب کا جو عقل سے بھی محروم کر دیتا ہے۔ جب تہذیب کا حوالہ بھی دیا گیا ہے اور اس کی عبارت کا ترجمہ بھی ملحوظ رکھا گیا تو عبارت کا چھوڑ دینا کیسے لازم آیا؟ پھر مزے کی بات یہ کہ مؤلف موصوف نے خود حضرت مولانا صفدر صاحب سے اس مفہوم کو نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ ”خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات نے اس حدیث کے مرسل اور منقطع تسلیم کرنے میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کا ساتھ نہیں دیا۔“ (تسکین الصدور ص ۳۱۲، آئینہ تسکین الصدور ص ۸۳)

اگر تعصب کی پٹی مؤلف موصوف کی آنکھوں پر نہ ہوتی تو وہ دیکھ لیتے کہ یہ عبارت امام بخاری کے اسی قول کے جواب میں ہے جس کو صاف چھوڑ دینے کا وہ الزام لگا رہے ہیں۔ پھر اس بارہ میں تو تفصیل سے بحث تسکین الصدور میں مذکور ہے۔ چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ اگر اس روایت کو مرسل بھی مان لیا جائے۔ تب بھی مرسل روایت سے اصول حدیث کے رو سے ترجیح اور تفسیر درست ہے اور حدیث ”فنبی اللہ حی یرزق“ ان روایات کی تفسیر ہے جن میں رزق دیئے جانے کے بغیر حیات کا ذکر ہے۔

اور تسکین الصدور میں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ جو حضرات مرسل سے احتجاج کے قائل نہیں وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ مرسل معتضد حجت ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۲۰، مقدمہ نووی ص ۱۷)

”اور اس حدیث کی تقویت اور اعتضاد کے لئے علاوہ سابق پیش کردہ اور آئندہ عرض کی جانے والی احادیث کے اجماع امت مؤید ہے۔ اس لئے یہ روایت قابل استدلال ہے۔“ (تسکین الصدور ص ۳۱۹ تا ۳۲۱)

جب امام بخاری کے اس روایت کو مرسل قرار دینے کے نظریہ کو تسلیم کر کے بھی باحوالہ اس روایت کو قابل استدلال بتایا گیا ہے اور امام بخاری کی عبارت کا ترجمہ کر کے اس کا جواب بھی دیا گیا ہے تو اس کے باوجود مؤلف موصوف کا یہ کہنا کہ عبارت صاف چھوڑ گئے یا جلدی سے مطالعہ میں کتاب بند کر دی۔ یہ محض دھوکہ اور سراسر بددیانتی ہے۔

دھوکہ نمبر ۳۹: {مؤلف موصوف دریافت کرتے ہیں کہ وہ کون سے حضرات ہیں جنہوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کا ساتھ نہیں دیا۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب سے دریافت امر یہ ہے کہ وہ کون سے حضرات ہیں، جنہوں نے امام بخاری کا ساتھ نہیں دیا۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۸۳)

ہر آدمی تسکین الصدور میں دیکھ سکتا ہے کہ اس میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اصول حدیث کی رو سے صحیح اور جید کا ایک ہی درجہ ہے اور حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اس کا اتصال بھی ضروری ہے۔ اس لحاظ سے جن حضرات نے اس کو جید کہا ہے۔ گویا ان کے نزدیک اس کا اتصال بھی ثابت ہے اور اس سے پہلے تسکین الصدور میں حافظ منذری، علامہ سمہودی، ملا علی قاری، قاضی شوکانی اور مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ سے باسناد جید کے حوالے

نقل کئے گئے ہیں اور علامہ عزیزی، امام الدمیری، علامہ زرقانی اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ سے ''رجالہ ثقات'' کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ شاید مؤلف موصوف نے تسکین الصدور کے مطالعہ میں جلدی سے کتاب بند کر دی ہو یا تسکین الصدور کی صفحہ سے زائد پھیلی ہوئی اس بحث کا مطالعہ کرنے سے ہمت جواب دے گئی ہو اور یہ بحث ان کی نظر سے اوجھل رہی اور دریافت کرنے لگے کہ کون سے حضرات ہیں جنہوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کا ساتھ نہیں دیا۔

دھوکہ نمبر ۴۰: {مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ شہداء کی حیات جو قرآن کریم کی عبارۃ النص سے ثابت ہے وہ ان کی برزخی روحانی حیات ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جو دلالۃ النص سے ثابت ہے وہ بھی برزخی روحانی ہوگی۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور نے کئی صفحات پر مشتمل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں میں ہوتی ہیں جو جنت میں کھاتی پیتی ہیں اور سیر کرتی ہیں۔ جیسا کہ ترمذی شریف وغیرہ کی روایت میں آتا ہے۔ پھر اسی بحث کے دوران مؤلف موصوف تشریح حدیث از مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب مدلہ کا عنوان قائم کر کے ان کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ ان کے لئے سواری اور مرکب ہوتے ہیں۔ جیسے دنیا میں لوگ ہوائی جہاز کار وغیرہ کے اندر داخل ہو کر سفر کرتے ہیں۔ تناسخ پر اس سے استدلال کرنا جیسا کہ بعض زائغین نے کیا ہے، قطعاً باطل ہے۔ (تسکین الصدور ص ۱۸۶)

پھر مؤلف موصوف لکھتے ہیں ''اور اس حیات میں ان کی ارواح کے ابدان کے ساتھ تعلق کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہداء کی روحیں ان کے قبروں والے بدن میں نہیں ہوتیں اور شہداء کے عنصری بدنوں کو اس حیات میں کوئی دخل نہیں۔ جب قرآن کریم کی عبارۃ النص سے جن ہستیوں کی حیات ثابت ہے، اس حیات کی کیفیت خود نبی کریم ﷺ نے یہ فرمائی ہو تو دلالۃ النص سے ثابت ہونے والی حیات کی کیفیت بھی وہی ہوگی جو عبارۃ النص سے ثابت ہونے والی حیات کی کیفیت ہوگی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جو دلالۃ النص سے ثابت ہے وہ بھی حیات برزخی اور روحانی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی روحیں جنت میں اپنے اپنے مقام پر آسائش اور آرام میں ہیں اور ان کی ارواح طیبہ کو وہاں نعمتیں میسر ہیں۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۸۸)

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مؤلف آئینہ تسکین الصدور دوسروں پر تو صاف عبارت چھوڑنے کا بہتان باندھتے ہیں مگر خود صاف عبارت چھوڑنے میں کوئی عار محسوس نہیں کر رہے۔ مؤلف موصوف نے تسکین الصدور کی جو عبارت نقل کی ہے۔ اس کے بعد والی عبارت انہوں نے چھوڑ دی ہے۔ حالانکہ وہ عبارت ان کے اور ان کے طبقہ سے متعلق تھی جس کا جواب ان کے ذمہ تھا اور وہ عبارت یوں ہے ''اور اسی طرح ان سواریوں کو ابدان مثالیہ قرار دینا، جیسا کہ مؤلف اقامۃ البرہان نے ص ۹۹ میں کیا ہے باطل ہے اور اس کے بطلان کے لئے علماء متکلمین اور حضرات فقہاء کرام کے وہ صریح حوالے کافی ہیں جن سے جسد عنصری کا واضح ثبوت ملتا ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۱۹۴)

پھر تسکین الصدور میں شہداء کے سبز پرندوں میں جنت کی سیر کرنے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے ''کہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ میت کی روح کو زمین کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور روایت ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں اس کو خود سنتا ہوں اور مجھ پر غائبانہ درود پڑھتا ہے تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ مومنوں کی ارواح کا مستقر علیین یا ساتواں آسمان اور اس کی مانند کوئی اور جگہ ہے

اور کفار کے ارواح کا ٹھکانہ سجین ہے۔لیکن بایں ہمہ ہر روح کا جسم کے ساتھ قبر میں تعلق ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۱۹۳)

پھر آگے لکھا ہے۔''ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء اور عام مومنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں تو بظاہر ان متعارض روایات کو پیش نظر رکھ کر قاضی ثناء اللہ صاحب نے محدثانہ اور فقیہانہ انداز میں یہ جواب دیا کہ مومنوں کی ارواح کا مستقر جنت ہو یا علیین یا ساتواں آسمان کچھ بھی ہو،مگر ان ارواح کا فی الجملہ تعلق اور اتصال قبروں میں اجساد کے ساتھ ہوتا ہے جس کی پوری کیفیت پروردگار ہی جانتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے لذت وکلفت کا احساس اور ادراک ان کو ہوتا ہے اور اسی ادراک وشعور کے ساتھ وہ منکر ونکیر کے سوال کا جواب دیتے ہیں اور اسی اتصال کے سبب عند القبر سلام کہنے والے کا سلام سنتے (اور جواب دیتے) ہیں۔ہاں!ان ارواح کا اجسام کی طرف مکمل طور پر لوٹا یا جانا اور بکمالہ اعادہ قیامت کے دن ہی ہوگا۔'' (تسکین الصدور ص ۱۹۵)

جب تسکین الصدور میں واضح طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ ارواح جہاں بھی ہوں ان کا قبور میں اجسام کے ساتھ تعلق ہوتا ہے تو مؤلف آئینہ تسکین الصدور اور ان کے طبقہ کو چاہئے تھا کہ وہ کسی صحیح اور صریح یا کم از کم حسن درجہ یا اس سے بھی کم درجہ کی صریح حدیث سے اس کا رد کرتے کہ ارواح کا قبور میں اجسام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔مگر چونکہ یہ حضرات اس سے سراسر قاصر ہیں۔اس لئے انہوں نے اپنے خود ساختہ نتیجہ سے یوں کہہ کر اپنے حواریوں کو خوش رکھنے کا حیلہ کیا کہ''شہداء کی ارواح کے ابدان کے ساتھ تعلق کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۸۸)

''اور یہ کہ اس تعلق اور حیات کا کتاب وسنت سلف امت یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔اس تعلق واتصال کا دعویٰ محض بلا دلیل ہے۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۹۳)

منصف مزاج کے لئے تو تسکین الصدور میں بیان کئے گئے دلائل کافی ہیں جن کی تائید اپنے دور کے علمی آسمانوں نے فرمائی مگر (ضدی اور متعصب کو وہ دلائل نظر ہی نہیں آتے اور) ضد اور تعصب لاعلاج مرض ہیں،ان کا علاج نہیں ہوسکتا۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۴</u>: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے اپنے مخالف کی جانب سے پیش کردہ روایت کو امام زہری کی تدلیس کی وجہ سے رد کیا۔مگر خود سفیان ثوری کی مدلس روایت کو دلیل بنا رہے ہیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے مبارک پوری صاحب کے''ھذا الاسناد من اصح الاسانید فی الدنیا'' کہنے کے جواب میں لکھا ہے۔اس سند میں امام زہری مدلس ہیں اور خود مبارک پوری صاحب ایک مقام میں لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں زہری ہیں جو مدلس ہیں اور سالم سے عنعنہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کی جانب سے پیش کردہ روایت''ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض''میں سفیان ثوری مدلس ہیں۔مولانا صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ زہری سے عنعنہ کے ساتھ روایت مردود اور سفیان ثوری سے عنعنہ کے ساتھ روایت مقبول یہ کہاں کا اصول ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۹۳ تا ۹۶ ملخصاً)

اگر مؤلف موصوف کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہ بندھی ہوتی اور حضرات محدثین کرام کے بیان کردہ اصول سے واقف ہوتے تو وہ خود کتب اصول حدیث سے دیکھ کر اس کا جواب عوام الناس کو بتا دیتے کہ حضرات محدثین کرام نے امام زہری اور امام سفیان ثوری کو ایک جیسا مدلس قرار نہیں دیا بلکہ امام سفیان ثوری کو ایسے مدلسین میں شمار کیا ہے جن کی تدلیس مضر نہیں۔ (توجیہ النظر ص ۲۵۷)

جب کہ امام زہری کا شمار ان میں نہیں ہے۔

پھر مولف موصوف یہ بات بھی عوام الناس کو بتا دیتے کہ بحث کے دوران فریق مخالف کے مسلمات کو پیش کرنا اپنے موقف کی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔

جب مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے مبارک پوری صاحب کے مسلمات میں سے یہ بات پیش کی کہ امام زہری مدلس ہیں اور ان کے معنعنہ والی روایت صحیح نہیں تو یہ اصولی طور پر مولانا صفدر صاحب کا حق تھا جو انہوں نے استعمال کیا مگر ضد اور تعصب سے بھرا ہوا ذہن اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

دھوکہ نمبر ۴۲: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کی عن سے روایت کے بارہ میں جن محدثین کی تصحیح نقل کی ہے۔ خود مولانا صاحب ان کی تصحیح کا دوسرے مقام میں اعتبار نہیں کرتے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا محمد سرفراز صاحب نے سفیان کی عن سے روایت کے بارہ میں محدثین کرام سے تصحیح نقل کی ہے۔ حالانکہ ان کی تصحیح کا اعتبار نہیں اس لئے کہ خود مولانا صاحب نے ان حضرات کی تصحیح کا اعتبار بعض ایسی روایات میں نہیں کیا جن روایات میں انہوں نے اپنے مخالف کی جانب سے پیش کردہ روایات کا ضعف ثابت کیا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۹۶ تا ۹۹ ملخصاً)

اگر مولف موصوف کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی ہے تو باقی ہر آدمی دیکھ سکتا ہے کہ ''ان للہ ملائکۃ سیاحین'' والی روایت میں ان حضرات نے خرابی صرف سفیان کی عن سے روایت کرنا بیان کی ہے اور پہلے بیان ہو چکا کہ حضرات محدثین کرام کے نزدیک سفیان ثوری کی عن سے روایت مضر نہیں ہے جب کہ جن روایات پر مولانا صفدر صاحب نے اعتراضات کئے ہیں، ان میں تو ضعف کی کئی علامتیں بیان کی گئی ہیں جن کے ہوتے ہوئے ان روایت کو صحیح کہنا حضرات محدثین کرام کے قاعدہ کے مطابق درست نہیں ہے۔

دھوکہ نمبر ۴۳: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے اپنی پیش کردہ روایت کے بارہ میں امام حاکم کی تصحیح نقل کی ہے جب کہ اپنے مخالف پیش کی گئی روایت میں امام حاکم کی تصحیح کو رد کیا ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ: ''ان للہ ملائکۃ سیاحین'' والی روایت کے بارہ میں مولانا صفدر صاحب نے امام حاکم کی تصحیح نقل کی ہے۔ حالانکہ خود مولانا صاحب نے لکھا ہے کہ امام حاکم موضوع اور جعلی حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۹۹)

مولف موصوف نے مولانا صفدر صاحب کی عبارات کا ادھورا مفہوم بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ جہاں امام حاکم کی تصحیح پر اعتراض کیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے۔ جب کہ وہ تصحیح میں اکیلے ہوں اور جب ان کے ساتھ کوئی اور بھی تصحیح کرے تو ان کی تصحیح کا اعتبار ہوتا ہے۔ مولف موصوف نے خود یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ ائمہ فن میں سے دوسروں کی شہادت کے بغیر امام حاکم کی تصحیح کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس عبارت کو نقل کرنے کے باوجود ان کا اعتراض حیرانگی کا باعث ہے۔ اس لئے کہ امام حاکم کی تصحیح کا اعتبار نہ کرنا اس صورت میں ہے جب کہ وہ اکیلے ہوں اور ''ان للہ ملائکۃ سیاحین'' والی روایت میں صرف امام حاکم کی تصحیح نہیں بلکہ امام احمد، امام نسائی، امام بیہقی، ابن حبان علامہ عزیزی اور علامہ ہیثمی سے بھی اس کی تصحیح باحوالہ نقل کی گئی ہے۔ جب امام حاکم کے ساتھ اس روایت کی تصحیح میں دیگر ائمہ فن بھی شامل ہیں تو اس روایت کو ان روایات کی طرح قرار دینا جن میں صرف امام حاکم کی تصحیح ہے، یہ محدثین کرام کے قاعدہ کی کھلی خلاف ورزی ہے اور پھر ''ان للہ ملائکۃ سیاحین'' والی روایت کو محض امام حاکم کے تصحیح میں تساہل کا بہانہ بنا کر رد کرنا خالص دھوکہ ہے۔

دھوکہ نمبر ۴۴: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے حضور ﷺ پر درود شریف پہنچانے کے بارہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے متواتر کہنے کو قبول کیا ہے۔ حالانکہ خود انہوں نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے حضور ﷺ کا سایہ نہ ہونے کے متواتر کہنے کے قول کو رد کیا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے شاہ عبدالعزیز صاحب کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ امام احمد اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین پر سیر کرتے ہیں اور مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ مضمون متواتر طور پر ثابت ہے۔ (ملخصاً)

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ ''اب محترم موصوف سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی بزرگ کے تواتر کہنے سے کوئی بات متواتر ہو سکتی ہے اور اصولوں کی کوئی ضرورت نہیں تو پھر مولانا صاحب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے تواتر کو تسلیم کر کے حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کے قائل کیوں نہیں ہوتے۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۰۰)

حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے اتمام البرہان میں وضاحت کی ہے کہ ''حضرت گنگوہی نے جو حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کو متواتر کہا ہے تو یہ واقعہ کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے خلاف دلائل قائم ہیں اور حضرت گنگوہی کی جانب سے عذر پیش کیا کہ ہوسکتا ہے کہ جن کتابوں میں واضح طور پر سایہ ہونے کی روایات ہیں وہ روایات ان کو معلوم نہ ہو سکی ہوں۔'' (اتمام البرہان ج ۳ ص ۷۰)

اس کے برخلاف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے حضور ﷺ پر سلام پیش کئے جانے کے مضمون کو جو متواتر کہا ہے تو یہ واقعہ کے مطابق ہے اس لئے کہ امت میں سے کسی معتمد عالم فقیہ یا محدث سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے کہا ہو کہ حضور ﷺ پر پڑھا جانے والا درود و سلام آپ کو پیش نہیں کیا جاتا۔ اگر کسی میں جرأت ہے تو کسی معتبر عالم فقیہ کی کوئی صریح عبارت پیش کرے اور پھر معارضہ پیش کرے کہ حضرت گنگوہی کے تواتر کے قول خلاف بھی دلائل قائم ہیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے تواتر کے قول کے خلاف بھی دلائل قائم ہیں۔ مگر مولانا سرفراز صاحب نے حضرت گنگوہی کے تواتر کے قول کو رد کیا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے تواتر کے قول کو تسلیم کیا ہے۔ اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں ہوسکتا تو مؤلف موصوف کا ان کو تعارض میں پیش کرنا سراسر دھوکہ ہے۔

دھوکہ نمبر ۴۵: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے امام سخاوی رحمہ اللہ کی ادھوری عبارت نقل کی ہے اور ان کی ایک روایت کو دو روایتیں کہا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ ''پھر تسکین الصدور طبع دوم ص ۳۱۶ پر امام سخاوی رحمہ اللہ اور امام دارقطنی کا حوالہ دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ امام سخاوی اور امام دارقطنی کے حوالہ سے یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں۔'' پھر مؤلف موصوف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''شاید معلوم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صاحب اپنے مطلب کی عبارت پڑھ کر کتاب فوراً بند کر دیتے ہیں یا پڑھتے ہیں۔ لیکن تعصب کی وجہ سے اقتباس کی پوری عبارت نقل نہیں کرتے۔ کیونکہ اس سے مولانا کا پول کھل جاتا ہے۔ جیسا کہ مولانا صاحب نے امام سخاوی کی اس عبارت کو نقل کرنے میں یہی کردار ادا کیا ہے۔ کیونکہ مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں کو ملانے سے معلوم ہوا۔ حالانکہ امام سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ ایک ہی روایت ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۰۰، ۱۰۱)

قارئین کرام! بفضلہٖ تعالیٰ مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حق کو واضح کرنے کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔اس لئے نہ تو انہوں نے کوئی ادھوری عبارت پیش کی ہے اور نہ ہی ان کو ادھوری عبارت پیش کرنے کی کوئی ضرورت ہے یہ صرف معترضین کا دھوکہ ہے۔

مولف موصوف کو خود اعتراف ہے کہ مولانا صفدر صاحب نے لکھا ہے کہ امام سخاوی امام دارقطنی کے حوالہ سے روایت نقل کرتے ہیں اس واضح عبارت سے ہر ذی شعور جان سکتا ہے کہ امام سخاوی کو ناقل قرار دیا گیا ہے اور حوالہ امام دارقطنی کا ہے تو جتنی عبارت امام دارقطنی کی تھی۔اس کا نقل کرنا ذمہ داری تھی جو بفضلہٖ تعالیٰ پوری کی گئی ہے۔اس سے آگے کی عبارت نہ تو امام دارقطنی کی ہے اور نہ ہی وہ روایت ہے کہ اس کو نقل کرنا ضروری ہوتا بلکہ وہ امام سخاوی کی اپنی رائے کا ذکر ہے۔سچ کہتے ہیں کہ جس کو خواہ مخواہ اعتراض کی عادت ہو وہ کوئی نہ کوئی اعتراض کی صورت اپنے طور نکال ہی لیتا ہے۔

اگر آگے کی عبارت نقل کر دی جاتی تو یہ معترض یوں اعتراض کر دیتا کہ کہا یہ ہے کہ امام دارقطنی کی روایت نقل کرنی ہے، مگر آگے دارقطنی کی روایت کی بجائے امام سخاوی کا نظریہ پیش کر دیا ہے۔عادی معترض کے اعتراض سے تو تب بھی چھٹکارا نہیں تھا۔

پھر مولف موصوف کا یہ کہنا کہ مولانا صفدر صاحب نے دو روایتیں کہی ہیں۔حالانکہ امام سخاوی فرماتے ہیں کہ ایک روایت ہی ہے تو اگر مولف موصوف تعصب کی پٹی آنکھوں سے ہٹا کر دیکھتے تو ان کو نظر آجاتا کہ ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں سلام پیش ہونے کا ذکر ہے اور دوسری روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔جس میں صلوٰۃ پیش ہونے کا ذکر ہے۔جب واضح طور پر دو روایتیں سامنے ہیں تو یہ کہنے میں کیا حرج ہے کہ دونوں روایتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ فرشتے صلوٰۃ وسلام دونوں پہنچاتے ہیں قواعد کی روشنی میں عقل کی دنیا میں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا مگر متعصب اور ضدی کے اعتراض سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔

<u>دھوکہ نمبر ۴۶</u>: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ روایت میں ''لعلّ'' کے الفاظ ہیں اور ''لعلّ'' احتمال ہو وہاں دلالت باقی نہیں رہتی۔اس لئے یہ روایت دلیل نہیں بن سکتی۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ اسود بن یزید کی روایت میں ''لعلّ'' ہے۔''فانکم لا تدرون لعلّ ذالک یعرض علیہ'' کیونکہ تم نہیں جانتے کہ شاید یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جائے اور زاذن کثیر الخطاء راوی نے خطا کر کے یوں بیان کر دیا۔''ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' اسود بن یزید کی روایت میں احتمال ہے۔کیونکہ اس میں لفظ ''لعل'' مذکور ہے۔پھر آگے مولف موصوف لکھتے ہیں اور جب لفظ میں احتمال ہو تو اس میں دلالت باقی نہیں رہتی۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۰۲)

مولف موصوف نے یہاں دو دھوکے دیئے ہیں۔

پہلا دھوکہ یہ دیا ہے کہ دو مختلف روایتوں کو ایک ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔حالانکہ دونوں کا مفہوم جدا جدا ہے۔مرفوع روایت میں فرشتوں کی ڈیوٹیوں میں سے یہ ڈیوٹی بھی بتلائی کہ وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں جب کہ دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے درود شریف پڑھنے والوں کو ترغیب دی ہے کہ اچھی طرح پڑھو اس لئے کہ تمہیں معلوم نہیں کہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تمہارا یہ درود شریف پیش کیا جائے۔

مولف موصوف نے دوسرا دھوکا یہ دیا کہ لعل کا تعلق مطلق درود شریف پہنچانے کے ساتھ جوڑ دیا۔حالانکہ

اس کا تعلق ان مخاطبین کے درود شریف کے ساتھ ہے جن کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ترغیب دے رہے ہیں اور روایت کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں درود شریف پہنچایا جاتا ہے۔ اس لئے تم اچھے طریقہ سے پڑھو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارا یہ درود شریف بھی پہنچایا جائے اور یہی مفہوم ابن ماجہ کے حاشیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ پر درود شریف تو یقینا پہنچایا جاتا ہے اس لئے کہ روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین میں چلتے پھرتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ''لعل'' کے ساتھ اس لئے فرمایا کہ صلوٰۃ (درود شریف) کی قبولیت میں ترجی ہے۔ اس لئے کہ اس کا پیش کیا جانا قبولیت کے شرط کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ صدقہ پسندیدہ چیز کا قبول کیا جاتا ہے۔ ورنہ رد کردیا جاتا ہے۔ (حاشیہ ابن ماجہ ص ۶۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''لعل'' کا تعلق مخاطبین کے درود شریف سے ہے۔ مگر مؤلف موصوف نے اپنی دانست سے اس کا تعلق علی الاطلاق درود شریف پیش کئے جانے کے ساتھ جوڑ کر اعتراض کر دیا کہ جہاں احتمال ہوتا ہے وہاں دلالت باقی نہیں رہتی اور اس انداز سے روایت کو دلیل بنانے پر خواہ مخواہ اعتراض کر دیا۔

دھوکہ نمبر ۴۷: {مؤلف موصوف ''ان للہ ملائکۃ سیاحین'' روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا راوی زاذان ہے اور سلمہ بن کہیل نے کہا کہ زاذان کی بہ نسبت مجھے ابوالبختری زیادہ پسند ہے اور ابوالبختری کمزور راوی ہے تو زاذان اس سے بھی کمزور ہوگا۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور نے ''ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض'' والی روایت کے راوی زاذان پر جو جرح کی ہے تسکین الصدور میں اس کے جواب کے ساتھ ساتھ زاذان کا ثقہ ہونا باحوالہ ثابت کیا گیا ہے۔
(تسکین الصدور ص ۱۰۹، ۱۱۷)

پھر مؤلف موصوف نے لکھا کہ سلمہ بن کہیل نے کہا کہ ابوالبختری مجھے اس کی بہ نسبت زیادہ پسند ہے اور ابوالبختری کمزور راوی ہے تو زاذان اس سے بھی کمزور ہوگا۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۰۴ ملخصاً)

سلمہ بن کہیل کا یہ قول نقل کر کے اعتراض علامہ نیلوی نے بھی کیا تھا تو اس کے جواب میں حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب ڈیروی مدظلہ نے ان کی توجہ دلائی کہ ابوالبختری کے لقب سے تین آدمی مشہور ہوئے اور اس کا اعتراف ڈاکٹر عثمانی کے جواب میں خود مولانا سید عنایت اللہ صاحب بخاری نے بھی کیا۔

جب ابوالبختری تین آدمی ہیں، ان میں سے دو کذاب ہیں۔ ایک وہب بن وہب القاضی التوفی ۲۰۰ھ اور دوسرا ابوالبختری کذاب مجہول ہے اور تیسرا ابوالبختری سعید بن فیروز ہے۔ وہ ثقہ ہے اور سلمہ بن کہیل کے اساتذہ میں سے ہے۔ شاہ جی نے فرمایا زاذان امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ سلمہ بن کہیل اور ابوالبختری سعید بن فیروز ایک زمانہ میں ہوئے۔ سلمہ بن کہیل نے جو یہ فرمایا کہ زاذان سے ابوالبختری بہتر ہے، اس سے ان کی مراد سعید بن فیروز ہے۔ (قہر حق ص ۶۷)

اس کے بعد مؤلف موصوف کا حق یہ تھا کہ اگر ان کے نزدیک ابوالبختری سے مراد وہب القاضی ہے تو اس کی کوئی ٹھوس دلیل پیش کرتے اور اپنے رئیس الطائفہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب کی اس بارہ میں واضح تردید کرتے کہ انہوں نے ابوالبختری سے سعید بن فیروز مراد لے کر غلطی کی ہے۔ مگر تحزب کی وجہ سے یہ تو ان سے نہ ہوسکا۔ مگر وہ مولانا صفدر صاحب کی بے جا تردید میں بلا دلیل ابوالبختری سے وہب بن وہب القاضی مراد لے کر زاذان کو ضعیف ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۴۸: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے ابن حبان پر جرح بھی کی ہے اور بیسیوں مقامات میں ان کی جرح وتعدیل کے اقوال سے احتجاج بھی کیا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ ''مولانا صفدر صاحب نے ابن حبان پر جرح کرنے کے باوجود بیسیوں مقامات پر امام ابن حبان کے اقوال سے جرح وتعدیل میں احتجاج کیا ہے۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۰۵)

مؤلف موصوف کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس پر جرح کی گئی ہو اس کی جرح وتعدیل میں بات قابل قبول نہیں ہونی چاہئے۔ حالانکہ یہ ان کی غلطی یا سراسر دھوکہ ہے۔

یہی اعتراض غیر مقلد عالم جناب ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی کیا تھا تو اس کے جواب میں ہم نے لکھا تھا کہ ائمہ جرح وتعدیل میں بہت سے حضرات ایسے ہیں جن پر جرح موجود ہے۔ اس کے باوجود ان کو جرح وتعدیل کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ مثلاً ابوالفتح الازدی، جوزجانی، الواقدی اور امام ساجی وغیرہ پر جرح بھی موجود ہے اور اس کے باوجود علامہ ابن حجر نے جرح وتعدیل کے امام کی حیثیت سے ان کے راویوں پر جرح نقل کی ہے۔ ہاں! یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ مجروح کی اپنے سے اوثق کے بارہ میں جرح کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

دھوکہ نمبر ۴۹: {اس لئے مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ ازرق بن علی کی توثیق ابن حبان کے سواء کسی نے نہیں کی۔ اس لئے اس کی مروی روایت کو مجروح قرار دینا چاہئے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ خصوصاً ازرق بن علی کی توثیق ابن حبان کے سواء کسی اور نے نہیں کی تو اس پر خط تنسیخ کھینچ کر ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کو مجروح قرار دیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۰۶)

اگر مؤلف موصوف کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہ ہوتی تو ان کو تسکین الصدور میں اس کے بارہ میں علامہ ابن حجر کے ''صدوق یغرب'' کے الفاظ نظر آ جاتے۔ کیا علامہ ابن حجر علامہ ابن حبان کے سواء نہیں اور کیا وہ صدوق سے اس کی ثقاہت کو بیان نہیں کر رہے۔ باقی رہی یہ بات کہ علامہ ابن حجر نے مغرب کے الفاظ بھی فرمائے ہیں تو اس سے ثقاہت کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ محض غرابت ثقاہت کے منافی نہیں ہے۔

پھر ہم نے علامہ البانی کے حوالہ سے لکھا کہ اس روایت میں ازرق بن علی متفرد بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا متابع عبداللہ بن ابراہیم موجود ہے جس کو خطیب بغدادی نے ثقہ کہا ہے۔ اس لئے اصول حدیث کے رو سے ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' پر خط تنسیخ کھینچ کر اس کو مجروح قرار دینے کا تو کوئی جواز نہیں ہے، مگر متعصب کے لئے کوئی اصول کارآمد نہیں ہوتا۔

دھوکہ نمبر ۵۰: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ زاذان راوی کے بارہ میں ''لیس بالمتین'' کے الفاظ کہے گئے ہیں اور مولانا صفدر صاحب نے اس کی روایت لی ہے اور یہی الفاظ علاء بن عبدالرحمن کے بارہ میں کہے گئے ہیں۔ مگر مولانا صاحب نے اس کی روایت کو شاذ قرار دیا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ زاذان راوی کے بارہ میں ''لیس بالمتین'' کے الفاظ کہے گئے ہیں اور اس کی صفائی میں مولانا صفدر صاحب نے لکھا کہ اگر جمہور کی جرح مفسر نہ ہو تو ''لیس بالمتین'' سے عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ حالانکہ علاء بن عبدالرحمن کے بارہ میں ''لیس بالمتین'' کہا گیا تو اس کی روایت کو مولانا صاحب نے شاذ قرار دیا۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۰۷، ۱۰۸ ملخصاً)

اگر مولف موصوف بنظر انصاف دیکھتے تو ان پر واضح ہو جاتا کہ مولانا صفدر صاحب نے کسی بھی جگہ ’’لیس بالمتین‘‘ کی وجہ سے عدالت کے ساقط ہونے کا قول نہیں کیا۔ اگر ان کو کہیں ایسا نظر آیا ہے تو اس کا حوالہ دیں اور پھر اس کا معارضہ زاذان کے بارہ میں کہی گئی بات سے کریں۔ علاء بن عبدالرحمن کی روایت کو محض ’’لیس بالمتین‘‘ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے اپنے سے قوی راویوں کی مخالفت کرنے کی وجہ سے محدثین کرام کے قاعدہ کے مطابق شاذ قرار دیا ہے۔ (احسن الکلام ج ۲ ص ۵۳)

اور مکحول کی روایت کو بھی محض ’’لیس بالمتین‘‘ کی وجہ سے نہیں بلکہ اضطراب کی وجہ سے رد کیا ہے۔

(احسن الکلام ج ۲ ص ۱۰۸)

اور زاذان راوی میں چونکہ اس جیسی صورتحال نہیں اس لئے قاعدہ کے مطابق اس کی روایت کو قبول کیا ہے۔ حضرت مولانا صفدر صاحب نے تو قواعد کے مطابق عمل کیا ہے مگر معترض کو یہ قواعد شاید نظر ہی نہیں آئے۔

دھوکہ نمبر ۵۱: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ زاذان نے اپنے سے اوثق راوی اسود بن یزید کی مخالفت کی ہے۔ اس لئے اس کی روایت نہیں لینی چاہئے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ زاذان نے اپنے سے اوثق راوی اسود بن یزید کی مخالفت کی ہے۔ اس لئے اس کی روایت بھی نہیں لینی چاہئے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۰۹، ملخصاً)

مولف موصوف کو مغالطہ ہوا ہے یا وہ جان بوجھ کر دھوکا دہی سے کام لے رہے ہیں۔ اس لئے کہ مرفوع روایت اور ہے اور موقوف روایت اور ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے واضح کر دیا ہے بلکہ خود مولف موصوف کو بھی اعتراف ہے کہ متن میں بھی فرق ہے۔ جب دونوں روایتوں کا متن علیحدہ علیحدہ ہے تو ان کو ایک قرار دے کر موقوف اور مرفوع کا تقابل بتا کر مرفوع روایت کو رد کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔

دھوکہ نمبر ۵۲: {مولف موصوف لکھتے ہیں کہ ائمہ جرح کی جرحیں مفسر ہوتی ہیں۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ائمہ حدیث نے جو اپنی کتابوں میں جرحیں تحریر فرمائی ہیں تو وہ ان کے نزدیک مفسر ہوتی ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۰۹)

مولف موصوف کو مغالطہ ہوا ہے اس لئے کہ اگر یہی بات ہوتی جو انہوں نے لکھی ہے تو حضرات محدثین کرام کو جرح مفسر اور غیر مفسر کی تفریق ہی نہ کرنا پڑتی۔ حالانکہ تمام حضرات جرح مفسر اور غیر مفسر کو علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں اور ان کا حکم بھی علیحدہ علیحدہ بتاتے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۵۳: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ سفیان ثوری مدلس کی عنعنہ سے روایت کیسے صحیح ہوگئی۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں (کہ امام ابوحاتم اور علامہ ابن حجر) یہ دونوں صاحب حدیث کی علت مدلس راویوں کی عنعنہ سے بیان کر رہے ہیں۔ حالانکہ امام اوزاعی اور یحییٰ بن ابی کثیر بہت ثقہ راوی ہیں۔

پھر آگے مولف موصوف لکھتے ہیں اور حدیث تبلیغ سلام سفیان ثوری مدلس بھی عنعنہ سے بیان کرتا ہے تو پھر یہ حدیث کیسے صحیح ہوگئی۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۱۰، ۱۱۱)

ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ سفیان ثوری کا شمار ان مدلسین میں سے ہے جن کی تدلیس معتر نہیں ہے۔ جب کہ امام اوزاعی اور یحییٰ بن ابی کثیر کا شمار ان میں سے نہیں ہے۔ اس لئے سفیان ثوری کی مدلس روایت اور امام اوزاعی وغیرہ

کی مدلس روایت میں فرق کرنا اصول محدثین کے مطابق ہے۔ ان میں فرق کو طعن کی نظر سے دیکھنا درست نہیں ہے۔

دھوکہ نمبر ۵۴: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کے نزدیک ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے تو ''انی اری فی المنام انی اذبحک'' میں سے ''انی'' سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات اور ''ک'' سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات کیا خواب میں روح مع الجسد موجود تھیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا سرفراز صاحب کے قاعدہ وقانون کے مطابق کہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے تو سوال یہ ہے کہ ''یابنی انی اری فی المنام انی اذبحک'' میں ''نی'' میں حضرت ابراہیم علیہ السلام روح مع الجسد تھے اور اس روح مع الجسد کی ذات کے ہاتھ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے تھے اور ''اذبحک'' میں بضمیر خطاب ''ک'' سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام جسد اطہر مع الروح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس منامی حالت میں موجود تھے؟

پھر آگے مؤلف موصوف لکھتے ہیں۔ حالانکہ مولانا صاحب تفریح الخواطر ص ۲۴۴ پر اپنا نظریہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ (خواب کی حالت میں۔ قارن) جو شکل دیکھنے والے نے دیکھی وہ نہ تو آنحضرت ﷺ کی روح ہے اور نہ ذات بلکہ تحقیقی طور پر وہ آپ کی مثال تھی۔ یعنی مثالی شکل۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۱۱، ۱۱۲)

مؤلف موصوف کو مغالطہ ہوا یا وہ جان بوجھ کر دھوکہ دہی سے کام لے رہے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں تو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا کہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے۔ پھر اس ذات کی صورتیں مختلف ہیں۔ اگر ذات خارج میں ہو تو اس ذات کا وجود خارجی متعین ہوتا ہے اور اگر ذات ذہن میں ہو تو اس کا وجود ذہنی متعین ہوتا ہے۔ مگر جب اسی وجود ذہنی کا تعین خارج میں کیا جاتا ہے تو اس کا وجود خارجی متعین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خواب میں ذات کا تعین خواب کی حالت میں مثالی ہوتا ہے۔ مگر جب اس کا تعین خارج میں کیا جاتا ہے تو وجود خارجی جسد مع الروح ہے۔ وہی اس سے مراد ہوتا ہے، مؤلف موصوف نے جو مثال دی ہے اگر وہ اپنی دی ہوئی مثال میں غور کرتے تو ان کے سامنے واضح ہو جاتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں اپنی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات کا تعین خواب میں مثالی حالت میں جو کیا تھا جب خارج میں اس کا تعین کیا تو انی سے اپنی ذات مراد لی اور خود ذبح کے لئے تیار ہوئے اور ''ک'' سے اسماعیل علیہ السلام کی ذات مراد لی اور ان کو ذبح کے لئے تیار ہوئے۔ جب ذہن میں ذات کا تعین ذہن کے لحاظ سے اور خواب میں خواب کے لحاظ سے اور خارج میں خارج کے لحاظ سے ہوتا ہے تو خواب کی حالت کو خارج کی حالت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ فرشتے حضور ﷺ کو نہ تو خواب میں سلام پہنچاتے ہیں اور نہ ہی ذہنی طور پر بلکہ خارج میں سلام پہنچاتے ہیں اور خارج میں ذات کا تعین جسد مع الروح ہوتا ہے۔ اس میں اہل علم کے لئے تو کوئی اشکال کی بات نہیں مگر متعصب اور ضدی کا معاملہ جدا ہے۔

دھوکہ نمبر ۵۵: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ نماز میں پڑھا جانے والا سلام ہر نیک بندے کو پہنچتا ہے تو اس سے سننا لازم نہیں آتا بلکہ اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے تو اسی طرح حضور ﷺ کو سلام پہنچانے سے بھی یہی مراد ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو امت کی طرف فرستادہ صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے جب کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی بندہ نماز میں کہتا ہے۔ ''السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ذالک اصاب کل عبد فی السماء او بین السماء والارض'' (بخاری جلد اوّل ص ۱۱۵)

ہر نیک بندہ کو یہ سلام پہنچ جاتا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۱۳، ۱۱۴)

مؤلف موصوف اس سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں پڑھا جانے والا سلام ہر مومن بندہ سنتا نہیں مگر اس کے نامہ اعمال میں وہ لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح جب آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھا جائے تو اس کے آثار مع درجات و مزید رحمت و برکات رسول اللہ ﷺ پر اس درود شریف کا آپ کو پہنچنا ہو گیا۔

مگر یہ مؤلف موصوف کو مغالطہ ہوا ہے یا وہ جان بوجھ کر دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ عام مومنوں کو سلام پہنچنے کے بارہ میں انہوں نے جو روایت پیش کی ہے، اس میں ''اصاب'' کے الفاظ ہیں جب کہ حضور علیہ السلام کے بارہ میں ''یبلغونی'' کے الفاظ ہیں کہ فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں۔ ''اصاب'' کا مفہوم تو یہ ہے کہ ان سب نے وہ سلام پالیا یعنی اس سلام کے آثار ان کو پہنچ گئے۔

جب کہ تبلیغ سلام کا مفہوم اس سے بالکل جدا ہے۔

مؤلف موصوف نے ''اصاب'' اور تبلیغ کے مختلف مفہوموں کو گڈ مڈ کر کے قیاس مع الفارق سے اپنا بے بنیاد نظریہ ثابت کرنے اور عوام الناس کو دھوکہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔

دھوکہ نمبر ۵۶: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' والی روایت طبقہ ثالثہ یا رابعہ کی ہے جن کے بارہ میں خود مولانا صفدر صاحب فرماتے ہیں کہ ان کا اعتماد نہیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور حضرت مولانا صفدر صاحب کی جانب سے پیش کردہ چھٹی دلیل ''من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی من بعیداً علمتہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اوّلاً طبقہ اولیٰ و طبقہ ثانیہ کی کتب میں کہیں اس حدیث ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' کا ذکر نہیں۔ اگر یہ طبقہ ثالثہ یا طبقہ رابعہ میں ہو تو ان کے بارہ میں خود مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ ان کا اعتماد نہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۱۵ ملخصاً)

اور یہی بحث مؤلف موصوف نے اپنے رسالہ کشف الستر میں بھی لکھی ہے۔

ہم پہلے باحوالہ ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے علی الاطلاق درجہ ثالثہ اور درجہ رابعہ کی کتب میں موجود احادیث کو رد نہیں کیا۔ جیسا کہ مؤلف موصوف تاثر دے رہے ہیں بلکہ صرف ان کو رد کیا ہے جن کی اسناد کمزور ہوں یا جن کی اسناد ہی مذکور نہ ہوں۔ جب کہ حدیث ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' کی باقاعدہ سند نقل کر کے اس کے راویوں کی ثقاہت اور ان پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات تفصیل سے تسکین الصدور میں بیان کئے گئے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۵۷: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' والی روایت کا راوی ابوالشیخ ہے اور یہ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر طعن کیا کرتا تھا۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ ''من صلی علی عند قبری و سمعتہ'' حدیث کا راوی ابوالشیخ ہے اور ابوالشیخ سے مثالب امام اعظم کے بارے میں روایات موجود ہیں اور پھر مؤلف موصوف نے تاریخ بغدادی کے حوالہ سے تین روایات ذکر کر کے لکھا کہ یہ تین روایتیں بطور نمونہ ابوالشیخ سے جو مثالب امام اعظم کے بارے میں مروی ہیں، ذکر کر دی گئی ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۱۷، ۱۱۸)

اور ابوالشیخ کو ضعیف قرار دینے کا قول مؤلف نے اپنے رسالہ کشف الستر میں بھی نقل کیا ہے۔

مؤلف موصوف نے یہ ظاہر کیا ہے کہ امام اعظم کے مثالب یعنی ان کے بارہ میں طعن کی روایات کا مدار ابوالشیخ ہے۔ حالانکہ یہ ان کو مغالطہ یا ان کا دھوکا ہے۔ اس لئے کہ ابوالشیخ ان روایات کا راوی ضرور ہے مگر ان

مثالب کو گھڑنے کا مدار یہ نہیں۔ اسی لئے وکیل احناف علامہ محمد زاہد بن الحسن الکوثری نے جو اسماء رجال کے ماہر اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شیدائی تھے، انہوں نے مؤلف موصوف کی جانب سے پیش کردہ تین روایات میں سے دوسری روایت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ابونعیم اپنے تعصب کی وجہ سے متکلم فیہ ہے۔ ابوالشیخ کو ابواحمد العسال نے ضعیف کہا ہے۔ ابومسعود نے ری والوں کو رستہ اصبہانی سے روایت کرنے سے منع کیا اور موسیٰ بن المساور مجہول الحال ہے۔ میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا جس نے اس کی توثیق کی ہو۔ (تانیب الخطیب ص ۱۰۲)

علامہ کوثری جیسے آدمی نے اس روایت کے رد کا مدار ابونعیم اور موسیٰ بن المساور پر زیادہ رکھا ہے اور ابوالشیخ کے بارہ میں صرف یہ فرمایا کہ ابواحمد العسال نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ مگر مؤلف موصوف ابوالشیخ کو ان روایات کے رد کا مدار ٹھہرا کر پھر اس کی آڑ میں "من صلی علی عند قبری سمعته" والی روایت کا رد کرنا چاہتے ہیں تو یہ ان کی خود فریبی ہے اور ان کے اس طرز عمل سے مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ کی پیش کردہ دلیل کا جواب نہیں بن سکتا۔ بے شک احمد ابوالعسال نے ابوالشیخ کو ضعیف کہا ہے۔ مگر اس کی توثیق کرنے والوں میں محدث ابن مردویہ، خطیب بغدادی اور حافظ ابن حجر جیسے حضرات ہیں اور علامہ ذہبی کے الفاظ بھی ان کی تعریف میں ہیں۔

دھوکہ نمبر ۵۸: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے عبدالرحمن بن احمد الاعرج کو معروف ثابت کرنے کے لئے یہ قاعدہ استعمال کیا کہ جس راوی سے دو راوی روایت کریں وہ مجہول نہیں رہتا۔ حالانکہ خود انہوں نے دوسرے مقام میں اس قاعدہ کو رد کیا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ "من صلی علی عند قبری سمعته" کی روایت کا ایک راوی عبدالرحمن بن احمد الاعرج ہے جس کا تذکرہ تاریخ اصبہان کے علاوہ کہیں نہیں ملتا اور مولانا صفدر صاحب نے یہ حوالہ نقل کر کے کہ جس راوی سے دو راوی روایت کرتے ہوں وہ جہالت سے نکل جاتا ہے۔ اس کو معروف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ خود مولانا صاحب نے دوسرے مقام میں اس قاعدہ کو تسلیم نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ جس راوی سے دو راوی روایت کرتے ہوں وہ مستور ہی رہتا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۱۸ تا ۱۲۰ ملخصاً)

مؤلف موصوف نے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے کہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے عبدالرحمن بن احمد کے بارہ میں صرف امام دارقطنی کے قاعدہ پر ہی مدار نہیں رکھا کہ جس راوی سے دو راوی روایت کریں تو وہ مجہول نہیں رہتا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ ابن حجر فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲ میں اور علامہ سخاوی القول البدیع ص ۱۱۶ میں ملا علی قاری مرقات ج ۲ ص ۱۰ میں نواب صدیق حسن خان دلیل الطالب ص ۸۴۴ میں اور مولانا شبیر احمد عثمانی فتح الملہم جلد اول ص ۳۳۰ میں ابوالشیخ کی سند کو جید کہتے ہیں اور یہ بات تو فن حدیث میں معمولی دسترس رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ سند صحیح اور سند جید وہ ہوتی ہے جس میں دیگر شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی پائی جائے کہ اس میں کوئی مجہول راوی نہ ہو۔

جب ان حضرات نے ابوالشیخ کی سند کو جید کہا ہے تو اس سے واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک اس روایت کا کوئی راوی مجہول یا مستور نہیں ہے اور خود مؤلف موصوف نے اپنے رسالہ کشف الستر میں علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے۔ "فاما الجهالة فمندفعة جميع من اخرج لهم فی الصحیح لان شرط الصحیح ان یکون روایه معروفاً بالعدالة" (مقدمہ فتح الباری ص ۳۸۱، کشف الستر ص ۳۵)

یعنی صحیح میں جن کی روایات لائی گئی ہیں ان کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اس لئے کہ صحیح کی یہ شرط ہے کہ اس کے راوی معروف بالعدالۃ ہوں۔

پھر مؤلف موصوف کو چاہئے تھا کہ ''الاٰخر فالاٰخر'' پر عمل کرتے ہوئے تسکین الصدور کے پہلے مطبوعہ نسخہ کی عبارت کی بجائے بعد کے نسخہ میں ذکر کی گئی عبارت کو مدنظر رکھتے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ مؤلف موصوف کے پیش نظر بعد والے نسخہ کی عبارت بھی ہے۔ مگر اس کے باوجود پہلے مطبوعہ کی عبارت ذکر کر کے گڑ بڑ پیدا کر رہے ہیں۔

حالانکہ خود انہوں نے عبارت کی تبدیلی کا تذکرہ یوں کیا ہے کہ مولانا سرفراز خان صاحب نے عبدالرحمن بن احمد الاعرج کے متعلق جو امام دارقطنی کے قاعدہ سے اپنی تائید میں سہارا لیا تھا۔ اس کو تسکین الصدور طبع سوم میں ختم کر دیا ہے۔ (کشف الستر ص ۳۶)

اور کشف الستر آئینہ تسکین الصدور طبع دوم سے سال بھر پہلے شائع ہو چکی تھی تو دیانت کا تقاضہ تو یہی تھا کہ آئینہ تسکین الصدور طبع دوم میں تسکین الصدور کے بعد والے نسخہ کا لحاظ رکھا جاتا۔ اس لئے کہ آئینہ تسکین طبع دوم کے بارہ میں انہوں نے یہی ظاہر کیا ہے کہ اس کو اصلاح کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔ مگر ایسی دیانت کی توقع منصف مزاج سے کی جاتی ہے متعصب سے اس کی توقع بے کار ہے۔

تسکین الصدور کے بعد والے نسخہ کی عبارت میں یہ بھی ہے کہ ابوالشیخ کی سند سے مروی روایت کے شواہد کے طور پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات موجود ہیں جو امام بیہقی نے نقل کی ہیں۔ اس میں محدثین کرام کے اس قاعدہ کی جانب اشارہ ہے کہ اگر کسی روایت میں مجہول یا مدلس راوی ہو، مگر اس کے شواہد پائے جاتے ہوں تو وہ روایت حسن اور قابل حجت ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے: ''ان حقاً علی المسلمین ان یغتسلوا یوم الجمعة (الحدیث)'' اس کا راوی ہشیم مدلس ہے۔ لیکن امام ترمذی کے ہاں اس کا متابع ابو یحییٰ التیمی موجود ہے اور متن کے شواہد حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایات موجود ہیں۔ اس لئے امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۰۴)

حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو ''من صلی علی عند قبری سمعته'' والی حدیث کو حجت کے طور پر پیش کیا ہے تو یہ حضرات محدثین کرام کے قاعدہ کے مطابق ہے۔ اس پر اعتراض قواعد سے ناواقفی یا سراسر دھوکا ہے۔ اس بحث سے مؤلف موصوف کی جانب سے اپنے رسالہ کشف الستر میں مجہول راوی کی روایت کے بارہ میں کی گئی بحث کا جواب بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ صرف مجہول راوی کی روایت کے بارہ میں کی گئی بحث کا جواب بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ صرف مجہول راوی کی روایت کا حکم اور ہے اور جب اس کی روایت کا متابع یا شاہد ہو تو اس کا حکم اور ہوتا ہے۔ معترض نے ان میں فرق نہ کر کے اعتراض کیا ہے۔

<u>عجیب بات</u>: مؤلف آئینہ تسکین الصدور مولوی شیر محمد صاحب نے اپنے رسالہ کشف الستر میں لکھا کہ امام دارقطنی اور جمہور محدثین کرام کے اصول اور قاعدہ کے مطابق عبدالرحمن بن احمد الاعرج ثقہ اور عادل نہیں بلکہ معروف العدالة اور مجہول الحال ہے۔ (کشف الستر ص ۳۶)

اب اس بھلے مانس آدمی سے کوئی پوچھے کہ جب وہ عادل نہیں تو معروف العدالة کیسے ہو گیا؟

<u>دھوکہ نمبر ۵۹</u>: {مؤلف موصوف نے راوی کا نام بدل کر دھوکا دیا ہے۔}

''من صلی علی عند قبری سمعته'' کا راوی الحسن بن صباح ہے۔ جیسا کہ تسکین الصدور میں ذکر کیا گیا ہے اور علامہ نیلوی صاحب نے بھی راوی کا نام الحسن بن صباح ہی ذکر کیا ہے۔ (ندائے حق جلد اول ص ۸۳)

بلکہ خود مؤلف موصوف نے آئینہ تسکین الصدور میں راوی کا نام الحسن بن صباح ہی ذکر کیا ہے اور امام بخاری، ابوداؤد اور ترمذی کا استاد ہونا ذکر کیا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۱۲۳)

مگر اپنے رسالہ کشف الستر میں انہوں نے راوی کا نام تبدیل کرکے الحسین بن صباح بنا دیا۔

(کشف الستر ص ۱۵ اص ۳۸، ۳۹)

پھر مؤلف موصوف نے اس کو الحسین بن صباح قرار دے کر مجہول العین بنا دیا۔ حالانکہ تسکین الصدور میں وضاحت کی گئی ہے کہ راوی الحسن بن صباح بخاری شریف کا راوی ہے جس کی روایت بخاری ج ۱ ص ۳۹۰، ۴۶۷، ۵۰۳، ج ۲ ص ۷۹۲ وغیرہ میں ہے۔ راوی کا نام بدل کر اس کو مجہول العین قرار دینا اور پھر اس کی وجہ سے روایت کو ضعیف کہہ کر رد کرنا اگر دھوکا نہیں تو نہ جانے دنیا میں دھوکہ اور کس بلا کا نام ہے۔

دھوکہ نمبر ۶۰: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے قانون بیان کیا ہے کہ راوی کی تعیین کے لئے استاد اور اس کے شاگرد کو دیکھا جاتا ہے مگر انہوں نے عبدالرحمن بن احمد کو معروف لکھا ہے۔ حالانکہ اس کے استاد اور شاگرد دونوں معلوم نہیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب کا ایک اور اصول ملاحظہ فرمائیں۔ (اخفاء الذکر ص ۱۲) پر تحریر فرماتے ہیں کہ راوی کی تعیین کے لئے اصولی طور پر دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس کا استاد کون ہے اور دوسری یہ کہ اس کے شاگرد کون ہیں۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ناقدین رجال علامہ ذہبی (تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۲۹) میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے ترجمہ میں ان کے استادوں ابراہیم بن ابی یحییٰ کا الفزاری نام بھی ذکر کرتے ہیں۔ (مؤلف موصوف نے اخفاء الذکر کی عبارت نقل کرنے میں غلطی کی ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ ان کے استادوں میں ابراہیم بن ابی یحییٰ کا نام بھی ذکر کرتے ہیں۔ اگر الفزاری بھی ان کے استاد ہوتے تو ایسی ثقہ اور جلیل القدر ہستی کو نظر انداز کرنے کے کیا معنیٰ؟) کیونکہ کتب اسماء الرجال میں اکثر مشہور استادوں اور شاگردوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (اخفاء الذکر ص ۱۴)

ہم نے مولانا محترم کے قاعدہ کے پیش نظر اصولی طور پر دونوں چیزوں کی تلاش میں علامہ ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ و دیگر اسماء الرجال کی معتبر کتب میں معلوم کرنا چاہا کہ عبدالرحمن بن احمد الاعراج کا استاد کون ہے اور اس کے شاگرد کون کون ہیں؟ بہت کوشش کی خیر سے تذکرۃ الحفاظ اور اسماء الرجال کی معتبر کتب میں تو اس کا تذکرہ بھی نہیں ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۲۱، ۱۲۲)

مؤلف موصوف نے مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ کی جو عبارتیں پیش کی ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ امام شافعی جو کہ مشہور امام ہیں اگر الفزاری ان کے استاد ہوتے تو علامہ ذہبی ان کا ذکر بھی کرتے اور پھر الفزاری کے شاگردوں میں امام شافعی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اگر امام شافعی، الفزاری کے شاگرد ہوتے تو ان کا ذکر کیا جاتا۔ اس لئے کہ امام شافعی جیسے شاگرد کا چھوڑ دینا تعجب کا باعث ہے۔ جب کہ کتب اسماء الرجال میں اکثر مشہور استادوں اور شاگردوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا صفدر صاحب نے تو اصول کے مطابق بات کی ہے مگر مؤلف موصوف پر تعجب ہے کہ وہ اس اصول کو عبدالرحمن بن احمد میں تلاش کر رہے ہیں جو اس درجہ کا راوی تو ہے کہ اس کی روایت لی جائے مگر اس قدر مشہور نہیں کہ اس کا ذکر اسماء الرجال کی ان کتابوں میں کیا جاتا جن میں اکثر مشہور استادوں

اور شاگردوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جب کہ اس کا تذکرہ تاریخ اصبہان میں موجود ہے۔

دھوکہ نمبر ۶۱: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ ''من صلی علی عند قبری سمعته'' کے راوی ابومعاویہ اور اعمش دونوں مدلس ہیں اور عن سے روایت کرتے ہیں اور مدلس کی عن سے روایت قبول نہیں ہوتی۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ: ''من صلی علی عند قبری سمعته'' کے راوی ابومعاویہ اور اعمش بھی ہیں اور یہ دونوں مدلس ہیں اور مدلس کا عنعنہ قبول نہیں ہوتا۔

(آئینہ تسکین الصدور ص ۱۲۵ تا ۱۲۹ ملخصا، کشف الستر ص ۴۹ تا ۵۰ ملخصا)

مؤلف موصوف نے اپنے مقصد کی خاطر ادھورا قانون بیان کیا ہے۔ ورنہ ان کو معلوم ہوگا کہ مدلس کا عنعنہ اس وقت قبول نہیں ہوتا جب کہ اس کی تحدیث یا سماعت ثابت نہ ہو یا اس کا متابع وشاہد نہ ہو۔ جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وکذا اذا کان ضعفها لارسال او تدلیس او جهالة رجال کما زاده شیخ الاسلام زال بمجیئه من وجه آخر وکان دون الحسن لذاته'' (تدریب الراوی ص ۱۰۴)

جب روایت میں ضعیف ارسال یا تدلیس یا راویوں کی جہالت کی وجہ سے ہو۔ جیسا کہ شیخ الاسلام نے اضافہ کیا ہے تو اس روایت کے دوسرے طریق سے آنے کی وجہ سے یہ ضعف دور ہو جاتا ہے اور وہ روایت حسن لذاتہ سے کم درجہ ہوتی ہے۔

اور پہلے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اس روایت کے شواہد موجود ہیں جن کو امام بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ اس لحاظ سے ان راویوں کی تدلیس کا بہانہ بنا کر ''من صلی علی عند قبری سمعته'' والی روایت کو رد کرنا اصول کے خلاف اور سراسر دھوکا ہے۔

دھوکہ نمبر ۶۲: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ امام بیہقی کے پیش کردہ شواہد کا اعتبار نہیں اس لئے کہ اصل روایت میں محمد بن مروان السدی کذاب راوی ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور وکشف الستر لکھتے ہیں کہ باقی رہی یہ بات کہ اس حدیث پر امام بیہقی نے شواہد پیش کئے ہیں۔

الجواب: جس روایت پر امام بیہقی نے شواہد پیش کئے ہیں۔ اس میں تو کذاب خبیث رافضی کٹر شیعہ دجال واضع الحدیث محمد بن مروان السدی صغیر موجود ہے۔ اگر اصل روایت میں معمولی ضعف ہوتا تو شواہد کی بات درست ہوتی۔ (کشف الستر ص ۵۱)

مؤلف موصوف کو اعتراض سے پہلے دیکھ لینا چاہئے تھا کہ تسکین الصدور میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس روایت کی دو سندیں ہیں۔ ایک میں سدی ہے اور دوسری میں ابومعاویہ ہے اور خود مؤلف موصوف نے بھی آئینہ تسکین الصدور اور کشف الستر میں اس روایت کو زیر بحث لایا ہے جس میں سدی صغیر نہیں بلکہ ابومعاویہ ہے اور کہا ہے کہ ابومعاویہ مدلس ہیں۔ اس لئے جو شواہد امام بیہقی نے پیش کئے ہیں۔ بے شک وہ بظاہر سدی والی روایت کے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ ابومعاویہ والی روایت کے بھی شواہد ہیں۔ جب ابومعاویہ الحافظ الثبت ہے اور اس کی روایت کے شواہد بھی موجود ہیں اور اسی وجہ سے حضرات محدثین کرام نے ابوالشیخ کی ابومعاویہ والی سند کو جید کہا ہے تو ان شواہد کو صرف سدی صغیر کی روایت کے شواہد قرار دینا سراسر دھوکا ہے۔

دھوکہ نمبر ۶۳: { مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ علامہ ابن عبدالہادی نے اس روایت کو موضوع کہا ہے۔ }

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ علامہ ابن عبدالہادی نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث ابومعاویہ اور اعمش کے طریق سے خطا ہے اور ابن عبدالہادی نے واشگاف الفاظ میں صاف صاف کہہ دیا کہ یہ حدیث موضوع اور بے اصل ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۲۹)

تسکین الصدور میں علامہ ابن عبدالہادی کے اس اعتراض کی وضاحت کے ساتھ اس کا جواب بھی دیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک چونکہ صرف محمد بن مروان السدی الصغیر کی سند سے ہی یہ روایت مروی ہے۔ اس لئے اس روایت کو سند کے لحاظ سے وہ موضوع اور بے اصل فرما رہے ہیں۔ مگر ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں: ''وانما یثبت معناہ باحادیث اخر'' کہ اس روایت میں پایا گیا مفہوم دوسری احادیث سے ثابت ہے تو علامہ ابن الہادی اس روایت کے متن کو نہیں بلکہ اس کی محمد بن مروان السدی الصغیر والی سند سے مروی روایت کو موضوع کہہ رہے ہیں۔ جب کہ ان کے برخلاف دیگر محدثین کے نزدیک اس کی سند السدی الصغیر کے علاوہ ابومعاویہ کی سند سے بھی پائی جاتی ہے۔

اس لئے علامہ ابن عبدالہادی کا اس سند پر کلام ہے اور بسا اوقات محدثین کرام فنی طور پر بعض اسانید پر کلام کرتے ہیں لیکن ان کے متون سے جو مسائل اور احکام ثابت ہوتے ہیں وہ کثرت شواہد اور تعامل امت اور اس کی تلقی بالقبول کی وجہ سے ان کو معمول بہ قرار دیتے ہیں۔ (تسکین الصدور ص ۳۴۵)

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی روایت اسناد ضعیف کے ساتھ ہو تو یوں کہنا چاہئے کہ یہ روایت اس سند کے ساتھ ضعیف ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا متن ضعیف ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۹۴)

علامہ ابن عبدالہادی نے بھی جب روایت کے مفہوم کو ثابت اور روایت کو موضوع کہا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کے نزدیک اس سند کے ساتھ روایت موضوع ہے جس میں سدی صغیر ہے۔ اس لئے کہ وہ کذاب اور متہم راوی ہے۔

اس روایت پر علامہ ابن عبدالہادی کے اس فنی طور پر کلام کو بہانہ بنا کر اس حدیث کے متن کو رد کرنا سراسر دھوکا اور علامہ ابن عبدالہادی کے نظریہ کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ وہ اس حدیث کے مفہوم کو دوسری احادیث سے ثابت مانتے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۶۴: { مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے ایک جگہ لکھا کہ علامہ ابن عبدالہادی نے لکھا ہے کہ ابومعاویہ عن الاعمش کے طریق سے روایت غلطی ہے اور دوسری جگہ دیکھا کہ علامہ ابن عبدالہادی کو ابومعاویہ والی سند کا علم نہ تھا۔ }

مؤلف آئینہ تسکین الصدور ''مولانا صاحب کے حافظے کا کمال'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ (تسکین الصدور طبع دوم ص ۳۲۶) پر علامہ ابن عبدالہادی کی تحریر نقل کرتے ہیں کہ اور نیز فرماتے ہیں کہ بعض نے یہ روایت ابومعاویہ عن الاعمش کے طریق سے کی ہے اور یہ کھلی غلطی ہے۔ اس حدیث میں محمد بن مروان ہی متفرد ہے اور وہ متروک الحدیث اور متہم بالکذاب ہے۔ پھر (تسکین الصدور ص ۳۲۸) پر فرماتے ہیں کہ ابن عبدالہادی کو اس سند کا علم نہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۳۰)

مؤلف موصوف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کا حافظہ کمزور ہے۔ اس لئے کہ ایک جگہ انہوں نے

لکھا کہ علامہ ابن عبدالہادی نے کہا ہے کہ ابو معاویہ عن الاعمش کے طریق سے روایت کرنے والوں نے غلطی کی ہے۔ (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سند کا علم ان کو ہے) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ علامہ ابن عبدالہادی کو ابو معاویہ والی سند کا علم نہیں۔

مگر مولف موصوف سے ہماری گزارش ہے کہ بفضلہ تعالیٰ ہماری اس تحریر تک کی حالت یہ ہے کہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ گونا گوں بیماریوں، پیرانہ سالی اور کئی سالوں سے تدریسی سلسلہ منقطع ہو جانے کے باوجود پیچیدہ فقہی اور فن حدیث سے متعلق مسائل اپنی محفل میں علماء سے اس انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ ان کتابوں کی تازہ تدریس والا بھی نہیں بیان کر سکتا۔

مولف موصوف نے جن عبارتوں کو بزعم خود متعارض جان کر حضرت کے حافظہ کی کمزوری ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے۔ ان میں مولف موصوف کی خود اپنی غیر حاضر دماغی ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ بعض کے قول پر اعتماد نہ کرنا اس کے خلاف علم کو مستلزم نہیں ہوتا۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ کوئی بات بتاتے ہیں، مگر ان پر اعتماد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے خلاف کا علم ہوتا ہے۔ علامہ ابن عبدالہادی نے کہا کہ بعض نے ابو معاویہ عن الاعمش کی سند سے روایت کی ہے اور یہ ان کی خطا ہے اس میں وہ ان بعض پر اعتماد نہیں کر رہے اور اپنی تحقیق پر مدار رکھ کر اس روایت میں محمد بن مروان کو متفرد ہی مانتے ہیں۔

حالانکہ اس بارہ میں ان کی تحقیق ناقص تھی۔ اس لئے کہ علامہ ابن القیم، علامہ ابن حجر اور علامہ سخاوی جیسی علمی شخصیات کی تحقیق کے مطابق یہ روایت محمد بن مروان کے علاوہ ابو معاویہ کی سند سے بھی ثابت ہے۔

اور علامہ ابن عبدالہادی کے اس انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ابو معاویہ عن الاعمش والی سند کا علم نہ تھا۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر وغیرہ کو تھا۔ اس لئے کہ اگر ان کو اس بارہ میں علم ہوتا تو وہ اس روایت کی سند کے بارہ میں وہ نظریہ نہ اپناتے جو بیان ہوا ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ اس حدیث کے مفہوم کو ثابت بھی مانتے ہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں: ''واما ذالک الحدیث وان کان معناہ صحیحاً فاسنادہ لا یحتج بہ وانما یثبت معناہ باحادیث اخر'' (الصارم المنکی ص ۱۳۱)

یہ حدیث جو ہے اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے مگر اس کی سند قابل احتجاج نہیں اور پختہ بات ہے کہ اس حدیث کا معنی دوسری احادیث سے ثابت ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تو بالکل درست فرمایا کہ علامہ ابن عبدالہادی نے بعض پر اعتماد نہ کر کے اس کو ان کی غلطی کہا ہے۔ مگر خود ان کو بھی علامہ ابن حجر وغیرہ جیسا علم اس سند کے بارہ میں نہ تھا۔ اس مفہوم کو نہ سمجھ کر معترض نے خود اپنی غیر حاضر دماغی کا ثبوت دیا ہے۔

دھوکہ نمبر ۶۵: { مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' متواتر اور قطعی نہیں تو عقیدہ کے اثبات میں اس کا کیوں اعتبار کیا گیا۔ }

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے لکھا ہے کہ کسی مسئلہ کی بنیاد کسی عالم اور مفتی کی لغزش قلم اور وہم پر نہیں رکھی جا سکتی۔ (عمدۃ الاثاث ص ۱۱۲)

اور یہ بھی لکھا کہ عقائد میں تقلید، ظن اور گمان کا اعتبار نہیں اور عقائد تمام قطعی ہوتے ہیں اور ان کے دلائل بھی قطعی ہوتے ہیں۔

پھر مولف موصوف لکھتے ہیں کہ کیا حدیث ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' متواتر اور قطعی ہے۔
(آئینہ تسکین الصدور ص ۱۴۳ تا ۱۴۷ ملخصاً)

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مؤلف موصوف اور ان کا طبقہ دھوکہ دیتے ہیں کہ عقیدہ کا مدار صرف انہی روایات پر ہے بلکہ وفات کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا عقیدہ مؤلف موصوف اور ان کا طبقہ بھی قرآن وسنت سے ثابت مانتا ہے۔ پھر وہ اس حیات کو محض روحانی مانتے ہیں۔ جب کہ جمہور امت جن کی ترجمانی مولانا صفدر صاحب نے فرمائی وہ اس حیات کا تعلق قبر میں مدفون جسم کے ساتھ بھی مانتے ہیں اور اس پہلو میں ان احادیث اور ان سے ماخوذ مفہوم اور تعامل امت سے دلیل پکڑتے ہیں، جن پر تحقیقی لحاظ سے بحث تسکین الصدور میں کر دی گئی ہے۔ جب کہ مؤلف موصوف اور ان کا طبقہ اس پہلو میں کوئی ضعیف صریح روایت بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جس میں صراحت ہو کہ اس حیات کا قبر میں مدفون جسم کے ساتھ تعلق نہیں اور نہ ہی انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص حضور اکرم ﷺ عندالقبر پڑھے گئے سلام وصلوٰۃ کو سنتے ہیں۔ پھر مؤلف موصوف کا یہ دریافت کرنا کہ کیا حدیث ''من صلی علی عند قبری سمعته'' متواتر اور قطعی ہے تو اس کا جواب پہلے ہی تسکین الصدور میں دیا جا چکا ہے کہ قبور میں انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام سے حیات کے تعلق کی روایات اگرچہ الفاظ واسناد کے لحاظ سے متواتر نہیں لیکن تواتر طبقہ اور تواتر توارث کا شرف ان کو حاصل ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۴۴)

جب معترض کے اعتراض کا جواب تسکین الصدور میں دے دیا گیا ہے تو اس کے باوجود محض اعتراض کرنا اور اس کے جواب کی جانب توجہ نہ کرنا متعصب کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا صفدر کا چیلنج اور مولانا شہاب الدین خالدی کا بزعم خود چیلنج منظور کرنا

ہماری اس تحریر ''اظہار الغرور فی کتاب آئینہ تسکین الصدور'' کی کمپوزنگ ہو چکی تھی۔ پروف ریڈنگ کے دوران ایک کتاب بنام ''عقائد علماء اسلام'' ملی جو نوشہرہ ورکاں کے مولانا شہاب الدین خالدی صاحب کی تالیف ہے۔ اس میں انہوں نے آئینہ تسکین الصدور سے ہی کافی مواد لیا ہے اور انداز بھی اسی جیسا اختیار کیا ہے۔ اس کے باقی حصہ پر تبصرہ ضرورت پڑی تو پھر کسی وقت کر دیا جائے گا، سردست ان کے صرف چیلنج منظور ہے، پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

قارئین کرام! حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا کہ ''بلاخوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۷۴ تک اہل سنت والجماعت کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت ﷺ (اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی۔ علم کلام کی ہو یا علم تصوف وسلوک کی۔ سیرت کی ہو یا تاریخ کی۔ کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے) ''من ادعی خلافه فعلیه البیان ولا یمکنه انشاء الله تعالی الی یوم البعث والجزاء والمیزان'' (تسکین الصدور ص ۲۹۰)

اس کھلے اور واضح بیان کے بعد مخالفین پر لازم تھا کہ وہ چیلنج کے مطابق جواب کے جرأت کرتے مگر ایسا ان کے بس میں کہاں تھا؟

انہوں نے اپنے مسلک کو سہارا دینے کے لئے دوسروں کی عبارات کا خودساختہ مفہوم لے کر اور اسی جیسے انداز سے اپنے حواریوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی ہے۔

اسی طرح مولانا شہاب الدین صاحب نے بھی چیلنج کے جواب میں یہ انداز اختیار کر کے حضرت مولانا صفدر صاحب کے چیلنج کو اور پختہ کر دیا کہ کسی واضح اور صریح عبارت سے ان کے چیلنج کا جواب دینا مخالفین کے بس کی بات نہیں ہے۔ مولانا شہاب الدین خالدی صاحب لکھتے ہیں۔ ''حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کو چاہئے تھا کہ اپنے بیان کردہ قانون کے مطابق پہلے قرآن، قطعی اور متواتر حدیث سے سماع عند القبر ثابت کرتے تو پھر اس طرح کا دعویٰ کرتے تو جچتا بھی۔ ایک شخص نے کسی سے کشتی لڑی ہی نہیں اور یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ مجھے کسی نے نہیں بچھاڑا تو اس کی بات پر کون کان دھرے گا اور کب اس کو کامیاب پہلوان مانے گا۔'' (عقائد علماء اسلام ص ۴۳۰، ۴۳۱)

اسی قسم کا اعتراض مولف آئینہ تسکین الصدور نے بھی کیا تھا جس کا جواب ہم نے ص ۶۷ میں دے دیا ہے کہ ایسی بات یہ حضرات اپنی خفت مٹانے کے لئے کرتے ہیں۔ پھر مولانا خالدی صاحب کا یہ کہنا کہ کسی نے کشتی لڑی ہی نہیں تو اس کو کامیاب پہلوان کون مانے گا تو یہ تعبیر ایسے مقام پر درست نہیں۔ اس لئے کہ تعبیر یوں ہونی چاہئے کہ جو پہلوان اکھاڑے میں اترا ہو اور اس کے مقابل کسی کو آنے کی جرأت نہ ہوئی ہو تو ایسا پہلوان دعویٰ میں سچا ہوتا ہے کہ مجھے علاقہ کے لوگوں پر برتری حاصل ہے۔

اگر آنحضرت ﷺ کے عند القبر سماع کی احادیث اور روایات نہ ہوتیں تو مولانا صاحب کی تعبیر درست ہوتی جب روایات موجود ہیں اور ان کے مقابل روایات موجود نہیں تو یہ دعویٰ درست ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عند القبر عدم سماع کا کوئی قائل ثابت ہی نہیں ہے۔

مولانا شہاب الدین خالدی صاحب کا پیش کردہ پہلا ثبوت

مولانا موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے لکھا ہے کہ ''اگر کوئی زندہ بزرگ ہو تو اس کے پاس حاضر ہو کر دعا کرانا درست ہے۔ مردہ اور صاحب قبر سے دعا کرانے کے بارے میں خاصا اختلاف ہے۔ حافظ ابن تیمیہ تو لکھتے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ زندہ بزرگ سے دعا کرانا تو ثابت ہے لیکن مردہ سے اگرچہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ دعا کرانے کا ثبوت نہ صحابہ سے ہے نہ تابعین سے اور نہ اتباع تابعین سے اور نہ ہی ائمہ دین سے اس کا ثبوت ہے اور نہ ہی مردہ سے دعا کرانے کے سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث موجود ہے۔'' (دل کا سرور ص ۵۳، ۵۴)

''دعا اس سے کرائی جاتی ہے جو سنتا ہو جو سنتا ہی نہیں وہ دعا کیسے کرے گا۔ مردہ چونکہ نہیں سنتا اگرچہ نبی ہی کیوں نہ ہو اس لئے صحابہ، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ دین سب مردہ سے دعا کرانے سے منع کرتے ہیں۔'' (عقائد علماء اسلام ص ۴۳۱)

مولانا شہاب الدین خالدی صاحب نے ایک تو حضرت مولانا صفدر صاحب کی عبارت ادھوری نقل کی ہے۔ اس لئے کہ آگے عبارت میں مگر ہے اور مگر وسط کلام میں آتا ہے جس کا مفہوم ماقبل اور مابعد دونوں کے ذکر سے واضح ہوتا ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مفہوم یوں بنتا ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو صاحب قبر سے دعا کرانے کے بارہ میں یہ نظریہ بتایا ہے مگر حضرت گنگوہی اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ جب کہ مولانا شہاب الدین صاحب نے عبارت کا مفہوم یوں بیان کیا ہے۔ اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین تبع تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ سب مردہ سے دعا کرانے سے منع کرتے ہیں۔

جب حضرت مولانا صفدر صاحب نے اوپر واضح کیا ہے کہ اس بارہ میں اختلاف ہے تو پھر عبارت کا مفہوم کیسے یہ لیا جا سکتا ہے کہ سب منع کرتے ہیں۔

اور اگر مولانا شہاب الدین صاحب یوں فرمائیں کہ میں نے مولانا صفدر صاحب کی عبارت نہیں بلکہ انہوں نے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی جو عبارت پیش کی ہے اس کا مطلب بیان کیا ہے تو ان کو واضح کرنا چاہئے تھا کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سب حضرات منع کرتے ہیں اور امام ابن تیمیہ کی اس تحقیق کے خلاف باقی حضرات کا نظریہ تسکین الصدور میں واضح کردیا گیا ہے۔

پھر امام ابن تیمیہ کے بارہ میں واضح کیا گیا ہے کہ وہ **استشفاع عند القبر** اور مردہ سے دعا کرانے کے تو قائل نہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع **عند القبر** کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ان کے فتاویٰ ج ۴ ص ۳۶۱ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ ''حضرات ائمہ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی (قبور کی) زیارت کے وقت سلام کہنا چاہئے۔ کیونکہ سنن (ابوداؤد) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ مجھ پر کوئی شخص بھی سلام نہیں کہتا۔ مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر روح (توجہ) لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔'' (تسکین الصدور ص ۲۹۶)

''اور علامہ ابن تیمیہ حدیث ''من صلی علی عند قبری سمعته'' میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند کمزور ہے۔ لیکن اس کے کئی شواہد ثابت ہیں۔'' (تسکین الصدور ص ۳۳۵)

''یہی نہیں بلکہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تو عام مردوں کے حق میں بھی فرماتے ہیں کہ عذاب اور راحت روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتا ہے اور تمام اہل السنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۱۳۹)

جب علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے **عند القبر** صلوٰۃ وسلام سننے کے قائل ہیں تو ان کی عبارت سے مولانا شہاب الدین صاحب کا خودساختہ مفہوم لینا یقیناً ''توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ'' کا مصداق ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ قطعاً سماع **عند القبر** کے منکر نہیں ہیں۔ اس لئے مولانا شہاب الدین کا اپنے خودساختہ مفہوم سے ان پر سماع **عند القبر** کے انکار کا بہتان باندھ کر چیلنج کے جواب میں پیش کرنے کو کوئی عقلمند قبول نہیں کرسکتا اور یہ چیلنج کا جواب قطعاً قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے کہ نہ تو عبارت میں سماع کی نفی ہے اور نہ ہی علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سماع کے منکر ہیں۔ یہ مولانا شہاب الدین صاحب کا اپنا خودساختہ مفہوم ہے جس کا کوئی اعتماد نہیں ہے۔

مولانا شہاب الدین خالدی کی جانب سے پیش کیا جانے والا دوسرا ثبوت

مولانا شہاب الدین صاحب لکھتے ہیں ''اس دعویٰ کے خلاف دوسرا ثبوت جناب امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عبدالہادی **الفقیہ** صلوٰۃ وسلام کے بہت سی احادیث جن میں ''من صلی علی'' والی حدیث بھی ہے کا ذکر کرکے لکھتے ہیں۔ پس یہ وہ احادیث ہیں جو اہل علم کے نزدیک مشہور ہیں اور حسن کے طریقہ سے آئی ہیں اور ایک دوسری کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ سب احادیث اس بات پر متفق ہیں۔ جو بھی آپ کی امت سے آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھے وہ آپ تک پہنچتا ہے اور پیش کیا جاتا ہے۔ ان احادیث میں سے کسی میں بھی یہ نہیں ہے کہ آپ صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کی آواز بنفس نفیس سنتے ہیں۔ ان احادیث میں صرف یہ ہے کہ آپ کو پہنچایا جاتا اور پیش کیا جاتا ہے اور معلوم ہوا کہ آپ نے اس صلوٰۃ وسلام سے وہ مراد لیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، برابر ہے کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام آپ کی مسجد میں پڑھا جائے یا آپ کے شہر مدینہ میں یا کسی اور جگہ میں۔ اس سے معلوم کہ جس (صلوٰۃ وسلام)

کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔ یہ لیجئے جناب علامہ ابن عبدالہادی اہل سنت والجماعت میں سے ہیں اور ''لیس فی شیئ منھا انہ یسمع صوت المصلی'' کے الفاظ سے سماع کی نفی کر رہے ہیں کہ آپ آواز نہیں سنتے اور فی مسجدہ سے عندالقبر بھی ہے۔'' (عقائد علماء اسلام ص ۴۳۲، ۴۳۳)

مولانا شہاب الدین صاحب نے علامہ ابن عبدالہادی کی عبارت کا بھی خود ساختہ مفہوم لے کر اپنا مقصد حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے لکھا کہ ''وفی مسجدہ'' سے ''عند القبر'' بھی ہے۔ حالانکہ یہ مفہوم علامہ ابن عبدالہادی کی تصریح کے بالکل خلاف ہے۔ اگر مولانا صاحب اپنی پیش کردہ عبارت کا آگے کا حصہ بھی نقل کر دیتے تو معاملہ واضح ہو جاتا۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالہادی اسی عبارت میں آگے فرماتے ہیں: ''واما من سلم علیہ عند قبرہ فانہ یرد علیہ وذالک کالسلام علی سائر المومنین لیس ھو من خصائصہ'' (الصارم المنکی ص ۱۳۰، ۱۳۱)

اور بہرحال جو شخص آپ کی قبر کے پاس سلام کہتا ہے تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں تو یہ باقی مومنوں پر سلام کی طرح ہے اور یہ آپ کے خصائص میں سے نہیں ہے۔

علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ نے جب قبر کے پاس سلام کا علیحدہ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ اس کا جواب دیتے ہیں تو اس سے واضح ہو گیا کہ ان کی پہلی عبارت اس صورت میں ہے۔ جب سلام وصلوٰۃ کا پڑھنا قبر کے پاس نہ ہو اور قبر سے دور جو سلام وصلوٰۃ پڑھا جاتا ہے، اس کے سننے کے تو جمہور قائل ہی نہیں ہیں۔

دوسرے مقام پر علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام مومن کی قبر کے پاس سلام کہنے والے کے سلام کا مردہ جواب دیتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس سلام کہنے والے کے سلام کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں: ''فانما فیہ مدح المسلم علیہ والاخبار بسماعہ السلام وانہ یرد السلام'' (الصارم المنکی ص ۱۱۷)

تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کرنے والے کی تعریف ہے اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے سلام کو سننے اور جواب دینے کی خبر دینا ہے۔ علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا جو مفہوم ہم نے بیان کیا ہے وہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی بیان کردہ صراحت کی روشنی میں کیا ہے۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں: ''وھو غایۃ ما کان عندھم فی ھذا الباب عنہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو صلی اللہ علیہ وسلم یسمع السلام من القبر وتبلغہ الملائکۃ الصلوٰۃ والسلام من البعد'' (الصارم المنکی ص ۲۸۲)

اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سے زیادہ ان کے ہاں جو چیز پائی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس پڑھے جانے والے سلام کو سنتے ہیں اور دور سے پڑھے جانے والے کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔

جب علامہ ابن عبدالہادی ''فی مسجدہ'' میں ''عند القبر'' کو شامل نہیں مانتے بلکہ وہ اس سے بھی واضح طور پر فرماتے ہیں: ''قالوا فاما من کان فی المسجد فھولاء لم یسلموا علیہ عند قبرہ بل سلامھم علیہ کالسلام علیہ فی الصلوٰۃ'' (الصارم المنکی ص ۹۵)

بہرحال جو مسجد میں آپ پر سلام کہتے ہیں تو وہ قبر کے پاس سلام کہنے والے نہیں ہیں بلکہ ان کا سلام ایسے ہے جیسے نماز میں پڑھا جانے والا سلام۔

جب علامہ ابن عبدالہادی ''فی مسجدہ'' میں ''عند القبر'' کو شامل نہیں مانتے بلکہ اس کا حکم الگ مانتے ہیں تو حیرانگی ہے کہ مولانا شہاب الدین خالدی صاحب کیسے ان کی عبارت ''فی مسجدہ'' میں عندالقبر کو

شامل کر کے اس سے اپنا خود ساختہ مفہوم لے کران پر نبی کریم ﷺ کے سماع عند القبر کا بہتان باندھ رہے ہیں۔

مولانا شہاب الدین خالدی صاحب کی طرف سے پیش کردہ اس عبارت میں بھی عند القبر سماع کی نفی کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہی علامہ ابن عبدالہادی اس سماع کے منکر ہیں بلکہ وہ تو عام مومن مردوں کے قبروں میں سلام سننے اور جواب دینے کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ان کا ایک حوالہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اس کا ذکر الصارم المنکی ص ۹۵ اور ص ۱۲۷ میں بھی کرتے ہیں۔ جب علامہ ابن عبدالہادی نہ تو سماع عند القبر کے منکر ہیں اور نہ ہی ان کی عبارت میں سماع عند القبر کی نفی ثابت ہے تو مولانا خالدی صاحب کا اس عبارت کو بھی چیلنج کے جواب میں لانا قطعاً درست نہیں ہے اور نہ ہی کوئی عقلمند اس کو جواب میں تسلیم کر سکتا ہے۔

پھر مولانا شہاب الدین صاحب کی توجہ کے لئے عرض ہے کہ آپ نے الصارم المنکی کی جو عبارت پیش کی ہے، اس کے ابتدائی حصہ پر غور فرمائیں کہ علامہ ابن عبدالہادی تو ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' سمیت صلوٰۃ وسلام عند القبر پڑھنے اور دور سے پہنچائے جانے کی روایات کو حسن درجہ کی روایات قرار دے رہے ہیں۔ جب کہ آپ کا طبقہ تو ان کو ضعیف اور موضوع ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا تا ہے۔ جب آپ حضرات کا ان احادیث کے بارہ میں نظریہ ہی علامہ ابن عبدالہادی کے خلاف ہے تو آپ نے ان کی اس عبارت کا خود ساختہ مفہوم نکال کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کیوں ناکام کوشش کی ہے۔

مولانا شہاب الدین صاحب کی جانب سے پیش کیا جانے والا تیسرا ثبوت

مولانا شہاب الدین صاحب نے مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چیلنج کے جواب میں بزعم خود تیسرا ثبوت یہ دیا ہے کہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبدالعزیز دراوردی سے روایت نقل کی کہ حضرت سہیل بن سہیل نے فرمایا کہ حسن بن علی بن ابی طالب نے مجھے نبی کریم ﷺ (عند القبر) کے پاس دیکھ کر بلایا جب کہ آپ بیت فاطمہ میں کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے بھی کھانا کھانے کے لئے فرمایا۔ میں نے کہا مجھے تو بھوک نہیں۔ آپ نے فرمایا ''مالی رأیتک عند القبر'' کیا وجہ ہے کہ میں نے تجھے قبر کے پاس دیکھا ہے میں نے عرض کیا ''سلمت علی النبی ﷺ'' میں نے قبر کے پاس نبی کریم ﷺ کو سلام کیا ہے۔ اس پر حضرت حسن مثنیٰ نے فرمایا: ''اذا دخلت المسجد فسلم ثم قال ان رسول اللہ ﷺ قال لا تتخذوا اقبور انبیاء مساجد و صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیثما کنتم و اما انتم و من بالاندلس سواء'' (الصراط المستقیم ابن تیمیہ ص ۱۰۹، ۱۱۰، الصارم المنکی ص ۶۵)

پھر مولانا صاحب موصوف نے اس کا ترجمہ کرنے کے بعد لکھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہود پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنایا۔ مسجد میں اللہ کی تعظیم کے جو کام کئے جاتے ہیں وہ انہوں نے نبیوں کی قبروں پر کئے اور جس طرح مسجد میں بار بار اللہ کی عبادت کے لئے جاتے ہیں۔ اس طرح یہود بھی بار بار قبروں پر جاتے تھے۔ تم اس طرح میری قبر پر نہ آنا پھر فرمایا صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں تو جو قبر کے پاس ہے اور وہ جو اندلس میں ہے برابر ہیں۔ بالکل ظاہر ہے کہ جو شخص اندلس میں درود شریف پڑھے وہ آپ ﷺ نہیں سنتے۔ اسی طرح جو عند القبر یعنی قبر شریف کے پاس پڑھے وہ بھی آپ نہیں سنتے۔ (عقائد علمائے اسلام ص ۴۳۳، ۴۳۴)

مولانا شہاب الدین صاحب نے حضرت حسن مثنیٰ کا جو واقعہ نقل کیا ہے۔ اس میں انہوں نے قبر پر بار بار

جانے والے کو تنبیہ فرمائی کہ ایسا مت کرو۔ اس لئے کہ یہ کارروائی ''لا تتخذوا قبری عیداً'' کی وعید میں آتی ہے اور خود مولانا صاحب نے تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت حسن مثنیٰ نے ایک شخص کو دیکھا جو بار بار قبر نبوی پر آرہا ہے تو آپ نے فرمایا۔ او شخص تو اور وہ آدمی جو اندلس میں برابر ہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت حسن مثنیٰ اس کو ''لا تتخذوا قبری عیداً'' کی وعید سنا رہے ہیں اور اس کے بار بار قبر نبوی پر حاضری کو اچھا نہیں سمجھ رہے۔

اور پھر اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے کہ قرآن کریم میں ہے۔ ''صلوا علیہ و سلموا تسلیماً'' کہ حضور ﷺ پر صلوٰۃ پڑھو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ خود حضور ﷺ کے پاس زندگی کی حالت میں اور آپ کی وفات کے بعد ان کی قبر شریف پر حاضر ہو کر پڑھیں تو اس اشکال کو رفع کر دیا کہ تم مدینہ والے اور اندلس والے اس حکم کو پورا کرنے میں برابر ہو کہ قبر پر حاضری ضروری نہیں بلکہ تم جہاں بھی ہو تمہارا صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس عبارت میں نہ تو یہ ہے کہ حضرت حسن مثنیٰ نے مطلقاً قبر شریف پر حاضری سے منع کیا اور نہ ہی یہ ہے کہ قبر شریف پر پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام کو آپ ﷺ نہیں سنتے۔

یہ مولانا خالدی صاحب کا خود ساختہ مفہوم ہے اور اسی خود ساختہ مفہوم کو لے کر وہ حضرت حسن مثنیٰ پر نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام سننے کے انکار کی تہمت لگا رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

مولانا شہاب الدین صاحب کی جانب سے پیش کیا جانے والا چوتھا ثبوت

مولانا خالدی صاحب نے بزعم خود جواب چیلنج میں چوتھا ثبوت حضرت علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو قبر نبوی کے قریب فرجہ میں داخل ہو کر دعا کرتا ہے تو حضرت زین العابدین نے قبر نبوی کے پاس آکر دعا کرنے والے کو اس سے منع کیا۔ منع کرنے اور روکنے کی کیا وجہ ہے۔ اس کے لئے یہ حدیث سنائی کہ یہ حدیث میں نے اپنے ابا جان حضرت حسین سے سنی۔ انہوں نے میرے دادا جان سے سنی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنی۔ انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ سے سنی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری قبر کو عید (بار بار آنے کے لئے) نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ۔ پس تمہارا سلام مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ تم کہیں سے بھی پڑھو۔ (عقائد علمائے اسلام ص ۴۳۴، ۴۳۵)

مولانا خالدی صاحب کی اس پیش کردہ عبارت سے بھی واضح ہے کہ حضرت زین العابدین نے اس آدمی کو قبر شریف پر بار بار آنے کی وجہ سے وعید سنائی کہ اس طرح کرنا ''لا تتخذوا قبری عیداً'' کی مخالفت ہے۔

اس میں بھی مولانا خالدی صاحب کے جواب چیلنج کی موافقت کا اشارہ تک نہیں ہے۔

قارئین کرام! آپ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ کی جانب سے کئے گئے چیلنج کو پڑھیں اور پھر مولانا شہاب الدین صاحب کی جانب سے چیلنج قبول کرنے کے بعد پیش کئے جانے والے ثبوت دیکھیں کہ ان میں کسی ایک میں بھی نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر پڑھے گئے صلوٰۃ وسلام کے سماع کی نفی کی صراحت تو دور کی بات ہے، دلالت اشارہ اور کنایہ تک ان میں نہیں پایا۔

صرف مولانا خالدی صاحب ان کے خود ساختہ مفہوم کے زور سے جواب چیلنج میں ان کو پیش کر کے اپنے حواریوں کو خوش کر رہے ہیں۔ ورنہ ان عبارات میں اور ان کے قائلین کے نظریات میں مولانا خالدی صاحب کے جواب چیلنج کی موافقت کا ایک ذرہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اس لئے ہم پہلے سے بھی زیادہ ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ

اگر کسی میں ہمت ہے تو وہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چیلنج کے جواب میں ۱۳۷۴ء سے پہلے کی کسی اسلامی کتاب کے حوالے سے اہل سنت والجماعت کے کسی فرد کا عقیدہ اور نظریہ صراحت سے ثابت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔

اگر صراحت نہیں مل سکتی اور یقیناً نہیں مل سکتی تو مولانا شہاب الدین صاحب اور ان کے طبقہ کو کسی عالم پر عند القبر سماع کے انکار کا بہتان باندھ کر خود ساختہ مفہوم کے زور سے جواب چیلنج کے ثبوت پیش کرنے میں خدا خوفی سے کام لینا چاہئے۔

مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے ''من صلّی علیَّ عند قبری سمعتہ'' والی حدیث کو دلیل بنایا

مجلس وعظ میں علماء حضرات ہر قسم کی روایات بیان کر دیتے ہیں۔ مگر اپنے مخالف کے خلاف مناظرہ میں وہی حدیث پیش کی جاتی ہے جو قابل استدلال ہو۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ جہلم کے علاقہ میں حضرت مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر انہوں نے تقریر فرمائی اور حدیث ''من صلّی علیَّ عند قبری سمعتہ و من صلّی علیَّ غائباً ابلغتہ'' پڑھی۔ یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو آدمی میری قبر کے قریب درود شریف پڑھے میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور دراز جگہ میں پڑھے تو اللہ کے فرشتے مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس پر میاں عبدالحق غور غشتی والے نے بڑے درشت لہجہ میں کہا جھوٹ کہہ رہے ہو۔ غلط کہہ رہے ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر جگہ حاظر ناظر ہیں اور ہر ایک آدمی کا درود شریف بنفس نفیس خود سنتے ہیں۔ شیخ القرآن نے فرمایا آپ قرآن مجید یا حدیث سے کوئی حدیث دکھا دیں جس میں لکھا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لوگوں کے درود شریف خود ان کے پاس جا کر سنتے ہیں۔ (سوانح شیخ القرآن ص ۳۲۶، مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی)

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے اس انداز سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ روایت ان کے نزدیک قابل استدلال ہے اور دوسری بات یہ کہ آج کل جو اشاعۃ التوحید والسنۃ کے واعظ و خطیب حضرات یہ کہتے ہیں کہ عند القبر سماع کے نظریہ سے بریلوی نظریہ کی تائید وحمایت ہوتی ہے اور اس کو تقویت پہنچتی ہے تو یہ بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بریلوی حضرات کے خلاف پیش کر کے پیش کر دیا کہ اس سے بریلوی نظریہ کی تائید نہیں بلکہ اس سے بھرپور انداز میں ان کی تردید ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت شیخ القرآن کے زیر نگرانی شائع ہونے والے رسالہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص ۴۸، بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں ہے کہ ''اس حدیث کی جو سند سدی صغیر پر مشتمل ہے اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں ہے، وہ کمزور نہیں ہے اور حدیث ہذا کی دوسری سند بھی ہے۔'' (بحوالہ حاشیہ تسکین الصدور ص ۳۳۵)

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' کے بارہ میں اپنا نظریہ وہی ظاہر فرمایا جو مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تسکین الصدور میں بیان فرمایا ہے۔ اس لئے ہماری جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنہ سے وابستہ حضرات سے درخواست ہے کہ وہ دور حاضر کے واعظوں اور خطیبوں کے پیچھے لگ کر اپنا ایمان نہ خراب کریں بلکہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کو اپنائیں جن کی علمی حیثیت مسلم اور ان کی اشاعت التوحید والسنہ کے لئے خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ علامہ نیلوی صاحب ہوں یا کوئی اور صاحب ہو ان کی حیثیت حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

دھوکہ نمبر ٦٦: {مؤلف آئینہ تسکین الصدور نے اصل دلیل کو چھوڑ کر بطور شاہد پیش کی گئی روایت پر اعتراض کیا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور فرماتے ہیں کہ محترم جناب مولانا صاحب نے (تسکین الصدور طبع دوم ص ۳۲۹) میں سماع النبی ﷺ عند القبر پر ساتویں دلیل ذکر فرمائی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ البتہ ضرور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ منصف اور امام عادل ہوں گے اور البتہ ضرور فج روحاء (جگہ کا نام ہے) کے راستہ پر حج پر عمرہ کے لئے چلیں گے اور بلاشبہ وہ میری قبر آئیں گے اور بلاشک میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔ (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۴۰)

یہ روایت (مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰، مستدرک ج ۲ ص ۵۹۵) میں بھی ہے اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ دونوں اس کو صحیح کہتے ہیں۔

پھر مؤلف موصوف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب نے خود (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۰۴، ۱۰۵) میں امام حاکم کی تصحیح اور (ص ۱۲۲ ج ۲) پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح کو رد کیا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۳۷ تا ۱۳۹ ملخصاً)

مؤلف موصوف نے یا تو توجہ ہی نہیں فرمائی یا جان بوجھ کر دھوکا دینے کے چکر میں ہیں۔ اس لئے تسکین الصدور میں اصل دلیل الجامع الصغیر اور مسند ابی یعلی کو بنایا گیا ہے۔ الجامع الصغیر میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور مسند ابی یعلی کی روایت کے بارہ میں علامہ ہیثمی ''رجالہ رجال الصحیح'' فرماتے ہیں اور مستدرک و مسند احمد کی روایت کو بطور شاہد ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ خود آئینہ (تسکین الصدور ص ۱۳۸) میں عبارت یوں نقل کی گئی ہے کہ یہ روایت (مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۹۵) میں بھی ہے۔

مؤلف موصوف کا حق تھا کہ اصل دلیل پر اعتراض کرتے اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح کہنے اور علامہ ہیثمی کے ''رجالہ رجال الصحیح'' کہہ کر اس حدیث کے قابل حجت ثابت کرنے کی دلائل کے ساتھ تردید کرتے مگر یہ تو ان سے نہ ہو سکا۔ البتہ جو شاہد کے طور پر ذکر کیا گیا اس پر بوگس اعتراض کر کے دل کی بھڑاس نکالی۔

دھوکہ نمبر ٦٧: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے اپنی پیش کردہ دلیل میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے تصحیح نقل کی ہے۔ حالانکہ انہوں نے خود احسن الکلام میں امام حاکم اور علامہ ذہبی کی تصحیح کا اعتبار نہیں کیا۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور فرماتے ہیں کہ احسن الکلام میں مولانا صاحب نے امام حاکم اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہم کی تصحیح کا اعتبار نہیں کیا مگر تسکین الصدور میں لکھتے ہیں کہ امام حاکم اور علامہ ذہبی دونوں اس کو صحیح کہتے ہیں۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۳۸، ۱۳۹ ملخصاً)

مؤلف موصوف نے یا تو توجہ ہی نہیں کی یا پھر جان بوجھ کر دو الگ الگ باتوں میں گڈمڈ کر کے اعتراض کر رہے ہیں۔ ایک بات ہے کہ امام حاکم یا علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہما کا انفرادی طور پر کسی روایت کو صحیح کہنا تو ان کی انفرادی رائے محل نظر ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کا مجموعی طور پر کسی روایت کو صحیح کہنا تو اس کا حضرات محدثین کرام اعتبار کرتے ہیں۔

حضرات محدثین کرام کے قواعد کے مطابق احسن الکلام میں جو کہا گیا ہے وہ بھی درست ہے اور تسکین الصدور میں جو کہا گیا ہے وہ بھی درست ہے۔ اس لئے کہ امام حاکم اکیلے کی تصحیح کا اعتبار خود غیر مقلدین بھی نہیں کرتے

اور غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ان کے خلاف لکھا گیا کہ مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح میں کلام ہے اور دوسرے مقام میں لکھتے ہیں کہ امام حاکم کا تساہل علماء فن کے نزدیک معروف ومشہور ہے اور مولف خیر الکلام (حافظ محمد گوندلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ اسی طرح امام حاکم کی تصحیح بھی قابل تنقید ہے اور نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ امام حاکم کی تصحیح علماء حدیث کے ہاں ائمہ فن میں سے کسی دوسرے کی شہادت کے بغیر کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۱۶)

نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں وضاحت ہے کہ امام حاکم کے ساتھ جب ائمہ فن میں سے کوئی اور بھی ہو تو اس کی تصحیح کا اعتبار ہے۔ اسی لئے حضرات محدثین کرام امام حاکم اکیلے کی تصحیح کا اعتبار نہیں کرتے اور اکیلے امام ذہبی کی رائے سے بھی اختلاف کرتے ہیں۔ مگر جب امام حاکم اور علامہ ذہبی دونوں اکٹھے کسی روایت کی تصحیح کریں تو اس کا اعتبار ہوتا ہے۔

حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احسن الکلام میں امام حاکم کی انفرادی تصحیح اور علامہ ذہبی کی انفرادی تصحیح کو رد کیا ہے۔ جب کہ تسکین الصدور میں دونوں کی مجموعہ تصحیح کو نقل کیا ہے۔ اس لئے موصوف کا ان میں سے ہر ایک کی انفرادی تصحیح پر قیاس کر کے اعتراض کرنا قیاس مع الفارق اور حضرات محدثین کرام کے قواعد سے بے خبری کی دلیل ہے۔

دھوکہ نمبر ۶۸: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے مستدرک حاکم کی روایت کو کیوں پیش کیا ہے جب کہ اس میں راوی محمد بن اسحاق ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور فرماتے ہیں کہ مستدرک حاکم کی روایت میں محمد بن اسحاق ہے جس پر مولانا صفدر صاحب نے احسن الکلام میں کذاب اور دجال کے الفاظ سے جرح کر کے اس کی روایت رد کی ہے تو یہاں اس کی سند سے مستدرک حاکم کی روایت کیوں پیش کی ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۳۹ تا ۱۴۲ ملخصاً)

اسی قسم کا اعتراض غیر مقلد عالم جناب ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی کیا تھا تو اس کے جواب میں ہم نے لکھا تھا کہ بعض دفعہ کوئی روایت محدثین کرام کے معیار کے مطابق نہیں ہوتی۔ مگر "مقروناً بغیرہ" اس کو پیش کر دیا جاتا ہے اور اس کی روایت ہمارے دلیل کے معیار کے مطابق نہیں ہے۔ مگر دلیل کا مدار اس پر نہیں بلکہ الجامع الصغیر اور مسند ابی یعلی کی روایت پر ہے اور مستدرک کی روایت بطور شاہد مقروناً بغیرہ پیش کی گئی ہے۔ اس لئے محدثین کرام کے قاعدہ کے مطابق اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جب کہ غیر مقلدین کی روایت کا مدار ہی محمد بن اسحاق پر ہے اور ایسے راوی کی روایت پر مدار رکھنا درست نہیں ہے۔ اس لئے دونوں قاعدے الگ الگ ہیں اور اپنے اپنے موقعہ پر ان کو استعمال کیا گیا۔ مولف موصوف کا اعتراض بے توجہی کا نتیجہ یا جان بوجھ کر دھوکا دینے کی کوشش ہے۔

دھوکہ نمبر ۶۹: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے خود لکھا ہے کہ "عن رجل من الصحابة" کے الفاظ سے روایت ہو تو جب تک رجل کا تعین نہ ہو اس وقت تک روایت قبول نہیں ہوتی۔ حالانکہ خود انہوں نے جو دلیل پیش کی ہے، اس میں "فجاء رجل" آیا ہے جس کا تعین نہیں ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور استشفاع عند القبر کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب نے علامہ سمہودی کا قول نقل کیا ہے کہ علامہ سمہودی لکھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے بعد توسل کبھی اس معنی میں ہوتا ہے کہ آپ سے دعا طلب کرے۔ جیسا کہ آپ کی حیات میں تھا اور یہ جیسا کہ امام بیہقی نے "بطریق اعمش عن ابی

صالح عن مالک الدار" روایت نقل کی ہے اور ابن ابی شیبہ نے اس کو صحیح سند کے ساتھ مالک الدار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلاء ہوئے تو ایک شخص آنحضرت ﷺ کی قبر کے پاس گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لئے بارش کی طلب فرمائیں، کیونکہ وہ ہلاک ہو چلے ہیں۔

پھر اس روایت کو مکمل نقل کرنے کے بعد مؤلف موصوف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب نے خود لکھا ہے کہ:"عن رجل من الصحابة یا عمن سمع رسول اللہ ﷺ" کے الفاظ سے روایت ہو تو جب تک رجل کا تعین نہیں ہو جاتا اس وقت تک روایت قبول نہیں تو اس کی روشنی میں مولانا صاحب کو چاہئے تھا کہ اپنی ہی اس عبارت کے آئینہ میں اثر کا فیصلہ بھی امانت و دیانت سے کر لیتے جس کو وفاء الوفاء سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے نقل فرمایا تھا۔ کیونکہ اس میں بھی "فجاء رجل الی قبر النبی ﷺ" ہے اور اس میں مدلس بھی ہے اور ہے بھی غیر صحیحین کی۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۴۲ تا ۱۴۵ ملخصاً)

یہاں بھی مؤلف موصوف کو مغالطہ ہوا ہے یا وہ جان بوجھ کر چکر دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عن رجل کے بارہ میں جو قاعدہ بیان کیا ہے وہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ "عن رجل" سند میں ہو اور "وفاء الوفاء" کے حوالہ سے جو روایت پیش کی گئی ہے، اس میں "جاء رجل" سند میں نہیں بلکہ متن میں ہے۔ اس لئے کہ سند تو مالک الدار پر مکمل ہو گئی اور مالک الدار کو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ میں علامہ ابن سعد تابعین میں شمار کرتے ہیں اور مالک الدار واقعہ بیان کر رہے ہیں اور واقعہ میں اگر جاء رجل آئے تو وہ متن میں ہوتا ہے سند میں نہیں ہوتا۔ مگر مؤلف موصوف بے توجہی کا شکار ہو کر متن میں آنے والے جاء رجل پر سند میں آنے والے عن رجل کے قاعدہ کو چسپاں کرنا چاہتے ہیں اور پھر قاعدہ کی خلاف ورزی کا طعن مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دے رہے ہیں۔

پھر اگر "جاء رجل" کا بالکل تعین نہ بھی ہوتا تو مالک الدار جو صحابی یا تابعی ہیں، ان کے واقعہ بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ آدمی مسلمان ہی تھا اور خیر القرون میں تھا اور پھر حضرت مالک الدار کا اس واقعہ کو بلا تردید بیان کرنے سے ان کی تائید اس عمل کو حاصل ہو گئی۔

اور پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس واقعہ کو بیان کیا گیا تو ان کے اس واقعہ کو قبول کر لینے کی وجہ سے ان کی تائید بھی حاصل ہو گئی۔ اب رہی یہ بات کہ وہ آدمی کون تھا تو اس میں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ وہ صحابی ہو یا تابعی ہو۔

پھر جب تاریخی حوالوں سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ ۱۸ھ کا ہے تو اس سے اس کے صحابی ہونے کے احتمال کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ جب ضعیف روایت سے اس کا بلال بن الحارث المزنی صحابی ہونا ثابت ہے تو اس قرینہ کو تقویت حاصل ہو گئی اور ضعیف روایت سے "احد لمحتملین" یعنی دو احتمالوں میں کسی ایک کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ مولانا بدر عالم لکھتے ہیں:"لا باس بضعف الروایة فانها تکفی لتعیین احد المحتملات" (حاشیہ فیض الباری ج ۲ ص ۴۲۱)

کہ اگر کئی احتمالات ہوں تو ضعیف روایت سے ان میں سے کسی ایک کا تعین کیا جا سکتا ہے اور یہاں بھی "جاء رجل" میں ایک احتمال یہ ہے کہ وہ صحابی ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ صحابی نہ ہو بلکہ تابعی ہو تو ضعیف روایت سے ان میں سے صحابی ہونے والے احتمال کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے بے شک سیف بن عمر کی وجہ سے البدایہ والنہایہ کی روایت ضعیف ہے۔ مگر اس سے دو احتمالوں میں سے ایک کی تعیین ہو سکتی ہے۔

دھوکہ نمبر ۷۰: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے حضرت پیر طریقت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا ہم نواء بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور عنوان قائم کرتے ہیں کہ مولانا کی پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا ہم نواء بنانے کی ناکام سعی۔ پھر اس کے تحت موصوف تفسیر بے نظیر کا حوالہ ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ مولانا صاحب کو تعصب کی پٹی اتار کر امانت و دیانت کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔ آپ کے پیر و مرشد کس طرح دونوں روایتوں کا رد فرما رہے ہیں اور آپ بدستور بضد ہیں کہ نہیں وہ بلال بن الحارث المزنی ہی تھے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہتان تراشی کرتے جاتے ہیں کہ انہوں نے بھی اس فعل کی تائید فرمائی۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۴۹، ۱۵۰)

تعصب کی زوردار پٹی تو خود مولف آئینہ تسکین الصدور کی آنکھوں پر بندھی ہوئی جو تحریرات حدیث کے واضح حوالہ سے مذکور بات کا انکار کر رہے ہیں۔ جو عبارت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہے وہ تحریرات حدیث کے پرانے مطبوعہ نسخہ کے ص ۲۵۵ پر اور جدید مطبوعہ کراچی کے ص ۶۵۷ پر ہر ایسا آدمی دیکھ سکتا ہے۔ جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہ ہو اور وہ دیانت و امانت کی نظر سے دیکھنا چاہتا ہو۔

دھوکہ نمبر ۷۱: {مولف موصوف فرماتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب لکھتے ہیں کہ مجہول راویوں کی روایت نہیں لینی چاہئے مگر خود انہوں نے مجہول راویوں کی روایت لی ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور مولانا سرفراز خان صاحب صفدر کی راہ سنت کے حوالہ سے لکھتے ہیں جو انہوں نے ایک بریلوی کے جواب میں لکھا کہ اس سند میں کئی راوی مجہول ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کا مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول راویوں سے اخذ کریں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۵۱)

اس سے مولف موصوف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جیسے راہ سنت میں مجہول راویوں کی روایت کو رد کیا گیا ہے۔ اسی طرح استشفاع عند القبر والی روایت جو علامہ سمہودی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔ اس کا بھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے مگر یہ خالص دھوکا ہے۔ اس لئے کہ علامہ سمہودی کی جو روایت نقل کی گئی ہے وہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے اور اس کے راوی ابن ابی شیبہ ثقہ ہیں۔ ان کے استاد ابو معاویہ محمد بن خازم الحافظ الثبت ہیں۔ ان کے استاد امام اعمش الحافظ الثقہ ہیں اور ان کے استاد ابو صالح ذکوان جلیل القدر اور ثقہ ہیں اور انہوں نے روایت لی ہے۔ مالک الدار سے جو صحابی یا تابعی ہیں۔ ''وکان معروفاً'' اور معروف تھے ان میں کوئی راوی مجہول نہیں ہے تو پھر مولف موصوف کس طرح اس روایت کو راہ سنت میں رد کی گئی۔ روایت کی طرح رد کروانے کے درپے ہیں۔

باقی رہی البدایہ والنہایہ کی روایت تو اس سے واقعہ کا ثبوت نہیں بلکہ اس سے واقعہ میں موجود ایک آدمی کی تعیین ہے جو ضعیف روایت سے ہو سکتی ہے۔ اگر اس کی تعیین نہ بھی ہو تو واقعہ کے ثبوت میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور حضرت مالک الدار کے بلاتردید اس واقعہ کو بیان کرنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بلاتردید اس واقعہ کو قبول کر لینے سے ان حضرات کی تائید اس عمل کو حاصل ہو جاتی ہے۔

دھوکہ نمبر ۷۲: {مولف موصوف فرماتے ہیں کہ استشفاع عند القبر سلف سے ثابت نہیں اور متاخرین کا قول حجت نہیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مشہور غیر مقلد عالم سہوانی لکھتے ہیں کہ سلف سے (یہ **استشفاع عند القبر**) ثابت نہیں۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ اب **استشفاع عند القبر** کے معاملہ میں مولانا محترم کے نزدیک متاخرین کا قول حجت ہو گیا۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۵۱)

مؤلف موصوف دھوکا دے رہے ہیں۔ ورنہ ہر آدمی تسکین الصدور میں دیکھ سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ کی روایت پیش کی گئی ہے جس کی سند کو علامہ ابن کثیر، حافظ ابن حجر اور علامہ سمہودی صحیح کہتے ہیں اور اس روایت میں مالک الدار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید ثابت ہوتی ہے تو یہ **استشفاع عند القبر** کا مسئلہ متاخرین کے قول سے نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مسلمان آدمی کے عمل اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت مالک الدار کے اس کی تائید کرنے سے لیا گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے حضرات نے قرآنی آیت: ''ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاوک (الآیۃ)'' سے بھی **استشفاع عند القبر** پر استدلال کیا ہے۔

دھوکہ نمبر ۴۳: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت امام مالک کا ابوجعفر کے ساتھ مناظرہ والا واقعہ صحیح نہیں اس لئے کہ ان کا نظریہ قاضی عیاض نے یہ لکھا ہے کہ قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنا درست نہیں ہے۔}

تسکین الصدور میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الشفاء کے حوالہ سے امام مالک کے مسجد نبوی میں ابوجعفر کے ساتھ مناظرہ کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر یہ لکھا ہے کہ امام مالک نے ابوجعفر سے فرمایا کہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارشی بنا اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اور اگر بے شک جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ (الآیۃ)

اس کی تردید کرتے ہوئے مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض کی الشفاء میں لکھا ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ میں اس کو درست نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑا ہو کر دعا مانگے لیکن سلام کرے اور چلا جائے اور الشفاء میں دوسرے مقام پر لکھا ہے اور امام مالک نے مبسوط میں فرمایا کہ اہل مدینہ پر یہ لازم نہیں کہ جب بھی وہ مسجد میں داخل ہوں یا اس سے نکلیں تو قبر مبارک کے پاس ٹھہریں یہ تو باہر سے آنے والوں کے لئے ہے اور نیز فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ اس شخص کے لئے جو سفر سے آئے یا سفر کے لئے نکلے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس ٹھہرے اور وہاں درود پڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرے۔

پھر آگے مؤلف موصوف فرماتے ہیں **استشفاع عند القبر** کے بارے میں امام مالک کے مذہب کی وضاحت ان کے مذہب کے حافظ قاضی عیاض سے صراحۃً معلوم ہو گئی کہ وہ **استشفاع عند القبر** کے قائل نہیں ہیں۔

(آئینہ تسکین الصدور ص ۱۵۳ تا ۱۵۵ ملخصاً)

مؤلف موصوف سے گزارش ہے کہ جب واضح اور صریح الفاظ سے امام مالک کا ارشاد اسی قاضی عیاض کی الشفاء میں موجود ہے تو اس کا انکار کیوں؟

جب کہ آپ نے جو عبارات پیش کی ہیں، ان میں **استشفاع عند القبر** کی نفی کی صراحت نہیں ہے بلکہ وہ مدینہ منورہ کے رہائشی لوگوں کو ہر روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس آتے جاتے حاضری کو لازم ماننے کی نفی کر رہے ہیں اور سفر کے لئے جانے والے یا مسافر حضرات کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس ٹھہرنے اور وہاں دعاء کرنے کی اجازت فرما رہے ہیں۔ اس سے **استشفاع** کی نفی کیسے صراحۃً ثابت ہو گئی۔

باقی رہی یہ بات کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کے لئے دعا کرے تو اس سے آگے یہ مفہوم لینا کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ان سے دعا کی درخواست کرے۔ اس لئے **استشفاع عند القبر** کی ان سے نفی ثابت ہوگئی تو یہ مفہوم خود کشید ہے۔ اگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی **استشفاع** کے بارہ میں واضح اور صریح عبارت نہ ہوتی تو یہ خود کشید مفہوم کسی درجہ معتبر ہوتا جب ان کا اپنا واضح اور صریح الفاظ میں ارشاد موجود ہے جو تسکین الصدور میں الشفاء ہی کے حوالہ سے پیش کیا گیا ہے تو اس کی موجودگی میں خود کشید مفہوم کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ کسی کی عبارت کا مفہوم اس کی دوسری عبارات کے مفہوم کو پیش نظر رکھ کر ہی متعین کیا جاتا ہے۔

دھوکہ نمبر ۴۷: {مولف موصوف فرماتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک کی جانب منسوب اس واقعہ کو جھوٹ کہا ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور علامہ ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ امام مالک سمیت باقی ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ دعاء مانگتے وقت قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے مسجد میں دعا مانگے نہ کہ قبر کی طرف اور بشیر سہسوانی بھی لکھتے ہیں کہ حجرہ کی طرف منہ کر کے دعا نہ کرے۔ کیونکہ یہ سب باتفاق ائمہ ممنوع ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ امام مالک کی جانب جو **استشفاع** کی حکایت منسوب ہے وہ امام مالک پر جھوٹ ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۵۵ تا ۱۵۷ **ملخصاً**)

جب واضح طور پر (تسکین الصدور ص ۳۵۴) میں لکھا ہے کہ حافظ ابن تیمیہ، علامہ ابن عبدالہادی اور علامہ آلوسی وغیرہ **استشفاع عند القبر** کے مسئلہ میں جمہور کے خلاف رائے رکھتے ہیں تو اس کے باوجود علامہ ابن تیمیہ کی عبارت کو تردید کے لئے پیش کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ خود مولف موصوف علامہ ابن عبدالہادی کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ یہ اس مسئلہ میں فریق ہیں۔ لہٰذا منکرین کے نزدیک ان کی بات حجت نہیں ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۳۱)

جب مخالف فریق کی بات مولف موصوف کے ہاں حجت نہیں ہو سکتی تو علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی **استشفاع عند القبر** کے مسئلہ میں فریق ہیں اور بشیر سہسوانی صاحب تو مشہور غیر مقلد ہیں تو ان کی بات ان کے مخالف پر کیسے حجت ہو سکتی ہے؟ پھر اگر علامہ ابن تیمیہ نے امام مالک کی جانب منسوب اس واقعہ کو جھوٹ قرار دیا ہے تو اس پر کوئی ٹھوس دلیل قائم نہیں کی جب کہ اس واقعہ کو بیان کرنے والے قاضی عیاض ہیں اور اس واقعہ کو علامہ سبکی نقل کر کے لکھتے ہیں: ''وھو اسناد جید'' (شفاء السقام ص ۱۱۵)

اور علامہ سمہودی نے بھی (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۲۲) میں اس کی سند کو جید کہا ہے۔ اس لئے علامہ ابن تیمیہ کی بہ نسبت علامہ سبکی اور علامہ سمہودی کی بات قبول کرنا بہتر ہے۔

دھوکہ نمبر ۴۸: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب دل کا سرور میں لکھتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ مردہ سے دعا کرانے کا کوئی ثبوت نہیں مگر وہ خود تسکین الصدور میں اس کو ثابت کر رہے ہیں۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ خود مولانا صاحب ابن تیمیہ کے حوالے سے دل کا سرور طبع ششم تقطیع خورد ص ۵۸ میں لکھتے ہیں۔ مردہ اور صاحب قبر سے دعا کرانے کے بارے میں خاصا اختلاف ہے۔ حافظ ابن تیمیہ تو لکھتے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۵۷)

حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انصاف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے اختلاف کے دونوں پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ جو صاحب قبر سے دعاء کرانے میں متشدد ہیں، ان کا حوالہ بھی دیا اور آگے مگر سے اس کے خلاف

نظریہ بھی پیش کیا ہے جس کو مؤلف موصوف نے اپنی خاص مجبوری کے تحت ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔ مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے۔ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اسی وجہ۔ ان کو مستثنیٰ کیا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل ص ۹۹)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے بھی اپنے (فتاویٰ ج ۲ ص ۱۰۶ فارسی اور مترجم اردو ج ۲ ص ۲۳۰) میں ایسا لکھا ہے۔ (دل کا سرور ص ۵۴)

جب مولانا صفدر صاحب نے اختلاف کی دونوں رائے ذکر کی ہیں اور دوسری رائے کو ترجیح دی ہے تو مؤلف موصوف کا صرف علامہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے دل کا سرور کی عبارت کو ذکر کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

پھر مؤلف موصوف نے تفسیر ماجدی سے روح المعانی کے حوالہ سے ذکر کردہ عبارت نقل کی ہے کہ میت غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو کوئی شک نہیں اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں کسی نے بھی نہیں کیا۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۵۸)

یہ حوالہ بھی مؤلف موصوف کے لئے کوئی فائدہ مند نہیں۔ اس لئے کہ علامہ آلوسی اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف رائے رکھتے ہیں تو ان کی بات اس مسئلہ میں ان کے مخالفین پر کیسے حجت ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس کے خلاف حضرت مالک الدار کی ''بسند جید'' روایت پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

دھوکہ نمبر ٦٧: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے گلدستہ توحید میں قبر والے کو پکارنے کی تردید کی ہے مگر تسکین الصدور میں استشفاع عند القبر کو جائز ثابت کرتے ہیں۔}

مؤلف موصوف نے گلدستہ توحید کی عبارتیں نقل کیں جن میں ہے کہ کہیں آپ کو یہ غلط فہمی نہ واقع ہو جائے کہ ان دونوں آیتوں میں تو عبادت کا لفظ موجود ہے۔ پکارنے کا تو نہیں لیکن یہ وہم بے جا ہوگا۔ کیونکہ دعا اور پکارنا خود عبادت ہے۔

اور دوسری عبارت میں پکارنا عبادت اور شرک نہیں تو دنیا میں شرک کیا چیز ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۵۹)

مؤلف موصوف اس سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ گلدستہ توحید میں مولانا صفدر صاحب نے قبر والے کو پکارنے کی تردید کی ہے اور تسکین الصدور میں استشفاع عند القبر کو جائز کہتے ہیں اس لئے ان عبارات میں تعارض ہے۔ مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اس لئے کہ استشفاع کسی کی زندگی میں ہو یا بعد از وفات ہو اس کا مفہوم اور ہے اور غیر اللہ کو پکارنا خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ اس کا مفہوم اور ہے۔ غیر اللہ کو پکارنے کا مفہوم اسی گلدستہ توحید میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریق پر حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر مصیبت کے وقت پکارنا شرک ہے اور یہی مشرکین عرب کا شرک تھا۔ (گلدستہ توحید ص ۱۱۱)

اور جو حضرات استشفاع عند القبر کے قائل ہیں وہ نہ تو قبر والے کو حاجت روا مانتے ہیں اور نہ ہی مشکل کشا جان کر اس کو پکارتے ہیں بلکہ جیسے زندگی میں کسی سے دعا کروائی جاتی ہے۔ اسی طرح قبر والے سے دعا کروائی جاتی ہے اور حضرت گنگوہی کے حوالہ سے گزرا کہ جو حضرات سماع موتی کے قائل ہیں وہ دعا کروانے کے بھی قائل ہیں اور

جو حضرات قبر والے کو حاجت روا اور مشکل کشا جان کر پکارتے ہیں۔ جیسا کہ بعض اہل بدعت کا نظریہ ہے تو وہ اسی طرح مشرک ہیں۔ جیسے عرب کے مشرک تھے۔

دھوکہ نمبر ۷۷: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ امام مالک کا ابوجعفر کے ساتھ مناظرہ کے واقعہ کو دلیل بنانا درست نہیں۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ مولانا محمد سرفراز صاحب مدظلہ العالی (تسکین الصدور طبع دوم ص ۳۴۸) پر تحریر فرماتے ہیں کہ اس امیر المومنین ابوجعفر کا حضرت امام مالک سے مسجد نبوی میں مناظرہ کو جب قاضی عیاض جیسے محدث نقل کرتے ہیں اور عبدالکافی السبکی اور سمہودی جیسے وسیع النظر عام باسناد جید کہتے ہیں تو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تبصرہ: اگر مولانا مدظلہ العالی کو حافظ جواب نہ دیتا تو وہ کسی باعظمت مصنف کی کتاب میں درج شدہ روایات اور اقوال کو اپنی تائید کا معیار ہرگز نہ بناتے۔ کیونکہ یہ حضرت مولانا صاحب کے اپنے اصول کے خلاف تھا۔ چنانچہ (تفریح الخواطر ص ۳۷۳) پر تحریر فرماتے ہیں۔ کسی مصنف کا فی نفسہٖ باعظمت ہونا اور بات ہے اور اس کی کتاب میں درج شدہ روایات اور اقوال کی صحت کا اور مقام ہے۔ جب تک کوئی مصنف اپنی کتاب میں صحت کا التزام نہ کرے اور قاعدہ کے مطابق صحیح روایات اور اقوال کی صحت کو ملحوظ نہ رکھے تو محض اس کی عظمت سے روایات صحیح نہیں ہوسکتی ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۵۹، ۱۶۰)

مولف موصوف یہاں مغالطہ دے رہے ہیں اس لئے کہ تفریح الخواطر کی عبارت بریلوی عالم کے جواب میں ہے جس نے بے سند حدیث پیش کی تھی۔

اس میں ابتداء میں ہی یہ کہا گیا کہ صوفی صاحب کے ذمہ یہ بات تھی کہ وہ اس حدیث کی باحوالہ سند اور اس کے رواۃ اور ان کی ثقاہت بیان کرتے جس سے وہ قطعاً عاجز اور قاصر رہے۔ (تفریح الخواطر ص ۳۷۲) جب کہ امام مالک کے واقعہ کی سند کے ایک ایک راوی کو علامہ سبکی نے بیان کیا ہے اور ان کی توثیق کی ہے اور علامہ سمہودی نے بھی اس کی سند کو جید کہا ہے۔

اب مولف موصوف کو کچھ تو خیال رکھنا چاہئے تھا کہ بے سند حدیث کے بارہ میں کہی گئی بات کو کہ وہ محض کسی بزرگ کی نقل سے صحیح نہیں ہو جاتی۔ اس بات کو اس واقعہ پر فٹ کرنا چاہتے ہیں جو صرف کسی بزرگ سے منقول نہیں بلکہ اس کے راویوں کو بیان کرنے کے ساتھ ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ مولانا صفدر صاحب کا حافظہ جواب نہیں دے گیا بلکہ معترض کو اپنے حافظہ کا علاج کروانا چاہئے۔

دھوکہ نمبر ۷۸: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے دل کا سرور میں ردشمس والی روایت جو قاضی عیاض نے نقل کی ہے۔ اس کو رد کیا ہے اور تسکین الصدور میں قاضی عیاض کی نقل کا اعتبار کر رہے ہیں۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب مدظلہ العالی نے قاضی عیاض جیسے محدث کی تصحیح کردہ ردشمس والی حدیث کو موضوع و باطل قرار دیا ہے۔ پھر آگے دل کا سرور سے عبارت نقل کر کے تبصرہ کرتے ہیں۔ جب قاضی عیاض جیسے محدث کی تصحیح کردہ حدیث کا یہ حال ہے تو ان کی محض نقل کردہ روایت کے متعلق یہ کہہ دینا کہ جب قاضی عیاض جیسے محدث اس کو نقل کرتے ہیں تو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۶۱ تا ۱۶۳ ملخصاً)

دلائل سے خالی ہاتھ ہی مقصد برآری کے لئے دوسروں کی عبارات میں قطع و برید کرتا ہے۔ اہل حق کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ تسکین الصدور کی اصل عبارت ہے اس کو جب قاضی عیاض جیسے محدث نقل کرتے ہیں اور عبدالکافی السبکی اور سمہودی

جیسے وسیع النظر عالم باسناد جید کہتے ہیں تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۵۹، ۳۶۰)

تسکین الصدور کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ روایت صرف قاضی عیاض کی نقل کردہ نہیں بلکہ علامہ سبکی اور سمہودی کی تحقیق کی چھلنی میں چھانی جا چکی ہے۔ جب کہ مؤلف موصوف نے درمیان کی عبارت چھوڑ کر ظاہر کیا کہ صرف قاضی عیاض کے نقل کرنے پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے۔

دھوکہ نمبر ۷۹: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کی عبارتوں میں تعارض ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے لکھا کہ اگر راوی ضعیف ہوتا تو قاضی عیاض اس سے روایت نہ لیتے۔ حالانکہ خود انہوں نے قاضی عیاض کی نقل کردہ روایت کو کاذب راویوں کی وجہ سے رد کیا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ اس بحث مذکورہ بالا سے مولانا صاحب کی اس بات کا بھی جواب ہو گیا جو انہوں نے (تسکین الصدور ص ۳۴۷) پر تحریر کی تھی کہ اوّلاً اس لئے کہ قاضی عیاض اپنے وقت میں علم حدیث اور اس کے فنون کے امام تھے۔ اگر یہ راوی محمد بن حمید رازی جو کذاب ہے تو اس سے وہ ہرگز احتجاج واستدلال نہ کرتے تو کیا قاضی عیاض نے اس حدیث "رد شمس" کے رواۃ کاذبوں شیعوں اور موضوع اور باطل روایت کرنے والوں سے احتجاج واستدلال نہیں کیا تو مولانا صاحب کا وہ قاعدہ اب کہاں گیا کہ وہ کذاب راویوں سے ہرگز احتجاج واستدلال نہ کرتے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۶۳)

اگر مؤلف موصوف قاضی عیاض کی الشفاء کے حوالہ سے ذکر کردہ دونوں عبارتوں کو غور سے دیکھ لیتے تو ان کو فرق نظر آ جاتا ہے کہ رد شمس والی روایت میں وہ صرف ناقل ہیں اور لکھتے ہیں: "خرج الطحاوی فی مشکل الحدیث" اور پھر روایتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "قال وھذان الحدیثان ثابتان ورواتھما ثقات" (الشفاء ج ۲ ص ۱۸۲)

کہ امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں اس روایت کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں روایتیں ثابت ہیں اور ان کے راوی ثقہ ہیں۔ اس میں قاضی عیاض امام طحاوی کی بات نقل کر رہے ہیں۔ جب کہ امام مالک والے واقعہ کو وہ خود اپنے اس دعویٰ پر دلیل کے طور پر پیش کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ کا احترام وتعظیم وفات کے بعد بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں تھا۔ پھر اس واقعہ کو دلیل کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ رد شمس والی روایت کو نقل کر کے قاضی عیاض نے اس کی تائید کی ہے تو کسی امام کی بات پر اعتماد کر کے اس کو دلیل میں شامل کرنے کا درجہ اور ہے اور خود براہ راست کسی بات سے استدلال کا درجہ اور ہے۔ اسی لئے فن مناظرہ میں ناقل کی ذمہ داری تصحیح نقل اور مستدل کی ذمہ داری دلیل کا ثبوت ذکر کی گئی ہے اور اسی وجہ سے قاضی عیاض نے رد شمس والی روایت میں راویوں کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا بلکہ یہ فرما دیا کہ یہ روایت امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں ذکر کی ہے۔ جب کہ امام مالک والے واقعہ میں وہ ناقل نہیں بلکہ مستدل ہیں تو باقاعدہ اس کی سند بیان کی۔

حضرت مولانا صفدر صاحب نے قاضی عیاض کی محدثانہ حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر راوی کذاب ہوتا تو وہ اس سے استدلال نہ کرتے۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ قاضی عیاض نے کذاب راویوں کی روایات کو ذکر ہی نہیں کیا کہ مؤلف موصوف قاضی عیاض کے کذاب راوی کی روایت کو نقل کرنے کا معارضہ پیش کر کے طعن کرتے۔

دھوکہ نمبر ۸۰: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے مجہول اعرابی کے عمل اور خواب کو دلیل بنایا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور نے کئی صفحات میں یہ بحث کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا صفدر صاحب نے استشفاع عندالقبر کے بارہ میں ایک اعرابی کا واقعہ نقل کر کے کہا کہ زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں پس حجت ہو گیا۔ حالانکہ مولانا صاحب نے خود طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں لکھا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بعض ایسے کام ہوتے تھے جن کا علم حضور ﷺ کو نہ ہوتا تھا تو کیا آپ کے عہد میں ہونے کی وجہ سے یہ سب کام جائز ہو گئے؟

پھر آگے لکھتے ہیں لیکن خود مولانا صاحب مدظلہ العالی غیر معتبر بے سند روایت سے ایک مجہول العین اور مجہول الحال اعرابی کے عمل اور خواب منام سے استشفاع عندالقبر کا جواب ثابت کر رہے ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۶۳ تا ۱۶۷ ملخصاً)

مؤلف موصوف کی ان دونوں باتوں کا جواب تسکین الصدور میں موجود ہے جس کو مؤلف موصوف نے خواب منام کہا ہے اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ یہ معاملہ نرے خواب کا نہیں ہے بلکہ اس سچے خواب کو خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید وتصویب حاصل ہے اور اس کارروائی کا حکم پہلے تو "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین (الحدیث)" کے تحت سنیت کا ہوگا۔ ورنہ استحباب اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہوگا۔

یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیان فرمایا تو انہوں نے صدق بلال فرما کر اس کی پرزور تائید وتصدیق کی۔ (تسکین الصدور ص ۳۵۱)

اور جس واقعہ کو مؤلف موصوف نے بے سند روایت سے ایک مجہول العین اور مجہول الحال اعرابی کا عمل کہا ہے اس کا جواب یوں دیا گیا ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ اس واقعہ سے استدلال اس رنگ میں نہیں کہ عتبی کوئی بڑے پارسا بزرگ اور ثقہ راوی تھے جن کی اس کارروائی کی پیروی کی جا رہی ہے۔ فرض کیجئے کہ وہ بادۂ مست بھی ہوں۔ جیسا کہ بعض کتابوں میں اس کا ذکر بھی ہے اور بعض معاصرین نے اس کو پلے باندھ لیا ہے بلکہ استدلال اس انداز سے ہے کہ اس کی اس کارروائی کو ہر مکتب فکر کے علماء کرام کی اکثریت نے مستحسن سمجھ کر اس پر عمل کیا ہے اور تلقی امت اور تعامل علماء وفقہاء سے یہ کارروائی جواز کا درجہ رکھتی ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۶۴)

ان عبارات میں وضاحت ہوگئی کہ دلیل کا مدار نہ خواب پر ہے اور نہ ہی مجہول الحال آدمی کی کارروائی پر اور نہ ہی محض خیر القرون میں اس عمل کے ہونے پر ہے بلکہ مدار خلیفہ راشد حضرت رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تائید اور علماء وفقہاء کی اکثریت کے اس عمل کو مستحسن قرار دینے پر ہے۔

جب مولف موصوف کے پیش کردہ دونوں اعتراضوں کا جواب وضاحت کے ساتھ تسکین الصدور میں ہو چکا ہے تو جواب مل جانے کے باوجود صرف اعتراض کو دہرائے جانا مغالطہ دہی ہے۔ حق تو یہ تھا کہ جواب پر مدلل انداز میں گرفت کرتے مگر وہ اس سے سراسر قاصر ہیں۔

دھوکہ نمبر ۸۱: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے جو واقعہ بیان کیا ہے۔ علماء فقہاء کو اس کا علم ہی نہ تھا جب علم ہی نہ تھا تو وہ تردید کیسے کرتے؟}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں اور مولانا صاحب کا یہ فرمانا کہ زمان خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں۔ پس حجت ہو گیا۔ پھر آگے مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ جب اس بے سند اور غیر معتبر واقعہ کا اس دور کے علماء فقہاء محدثین کو معلوم ہونا ہی منقول نہیں تو نکیر کا منقول نہ ہونا چہ معنے دارد؟ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۶۷، ۱۶۸)

اگر مؤلف موصوف کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہ بندھی ہوتی اور وہ میں نہ مانوں کا ہی وظیفہ ادا کرنے کی

ذمہ داری نہ اٹھائے بیٹھے ہوتے تو ان کو استشفاع عند القبر کے نظریہ کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی محفل میں موجود دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ حضرت مالک الدار، حضرت امام مالک، علامہ سمہودی، علامہ سبکی، امام بیہقی، علامہ ابن حجر، ملاعلی قاری، قاضی عیاض، علامہ ابن کثیر، علامہ زرقانی، حضرت نانوتوی، حضرت تھانوی اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہم اللہ وغیرہم کی عبارات سے بھی نظر آجاتی جن کے حوالے تسکین الصدور میں ذکر کئے گئے ہیں۔ جب ان جیسے حضرات سے یہ مسئلہ ثابت ہے تو اس کو بے سند اور غیر معتبر کہنا اور یہ کہنا کہ اس دور کے علماء فقہاء محدثین کو معلوم ہونا ہی منقول نہیں تو یہ سراسر دھوکا اور عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے والی بات ہے۔

دھوکہ نمبر ۸۲: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے خود لکھا ہے جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہوتا ہے۔ جب کہ استشفاع عند القبر کا نظریہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت بھی نہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ العالی نے حافظ ابن کثیر کا کیا ہی خوب ارشاد نقل فرمایا ہے کہ یعنی اہل السنۃ والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو قول اور فعل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو تو اس کا کرنا بدعت ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۶۸)

حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے علامہ ابن کثیر کا واقعی بہت خوب ارشاد نقل کیا ہے۔ مگر مؤلف موصوف اس سے جو مطلب کشید کر رہے ہیں وہ بالکل غلط ہے وہ اس کو استشفاع عند القبر کے رد میں ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مولانا صفدر صاحب نے باحوالہ ذکر کیا ہے کہ استشفاع عند القبر کا نظریہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی محفل میں موجود دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تائید سے ثابت ہے۔ اس کے باوجود علامہ ابن کثیر کے حوالہ کو مولانا صفدر صاحب کے خلاف پیش کرنا سراسر دعوکا ہے۔

دھوکہ نمبر ۸۳: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر نے اعرابی کے قول کو حجت بنایا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا حوالہ نقل کیا کہ انہوں نے محمد بن حرب کا واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں۔ پس حجت ہو گیا۔

مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ مولانا صاحب نے تو طلاق ثلاثہ کے بارہ میں پیش کی جانے والی ابوالصہباء کی حدیث کے بارہ میں فرمایا ہے کہ حدیث مذکور نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اور نہ فعل۔ پھر اس کو حجت کیونکر گردانا جا سکتا ہے۔

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف موصوف لکھتے ہیں تو پھر اعرابی کے قول کو کیونکر حجت گردانتے ہو۔ جب کہ غیر نبی کا قول و فعل حجت ہی نہیں تو اس سے استدلال کیسا؟ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۷۰، ۱۷۱)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم عمدۃ الاثاث کی اصل عبارت نقل کر دیں تاکہ واضح ہو جائے کہ عبارت کا مفہوم کیا ہے اور مؤلف موصوف اس سے کیا نتیجہ اخذ کر رہے ہیں۔

عمدۃ الاثاث کی عبارت یوں ہے: ''علامہ ابن حزم کے اس بیان اور اس نظریہ سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث سرے سے مرفوع ہی نہیں ہے۔ کیونکہ مرفوع حدیث کے تینوں اقسام (قولی، فعلی اور تقریری) سے یہ خارج ہے اور حجت تو صرف آپ کی حدیث میں کسی غیر معصوم کے غیر معصوم قول میں تو حجت نہیں ہے کہ جو کچھ اس نے کہہ دیا وہ حرف آخر ہو گیا۔'' (عمدۃ الاثاث ص ۸۴)

اس عبارت سے واضح ہے کہ ابوالصہباء کی روایت کو مرفوع حدیث کے طور پر پیش کرنا درست نہیں ہے۔ جیسا کہ غیر مقلدین کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ من وعن حرف آخر کے طور پر حجت تو صرف نبی معصوم کا قول ہوسکتا ہے۔ نبی کے علاوہ کسی کا قول اس انداز کا حجت نہیں ہوسکتا۔ اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ نبی کے علاوہ کسی کا قول حجت ہی نہیں۔ یہ تو ''توجیه القول بما لا یرضی به قائله'' کا مصداق ہے۔ اس لئے کہ مولانا صفدر صاحب تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔ جن کے ہاں تعامل واقوال صحابہ کے علاوہ اپنے امام اور امام کے اصول کے تحت اپنے مذہب کے معتمد علماء کے اقوال حجت ہیں۔ جیسا کہ ان کی تمام کتابوں سے یہ نمایاں طور پر واضح ہے۔ مولف موصوف کا یہ کہنا کہ مولانا صاحب کے نزدیک غیر نبی کا قول حجت ہی نہیں تو یہ سراسر دھوکا ہے۔

دھوکہ نمبر ۸۴: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر دعا کیوں نہ کروائی۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا محترم نے (تسکین الصدور طبع دوم ص ۳۵۴) پر استشفاع عند القبر میں حضرت نانوتوی کا قول پیش کیا۔ چنانچہ تحریر فرمایا کہ اور حضرت مولانا نانوتوی یہ آیت کریمہ: ''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاوک'' (قارن) لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔ آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندگی ہوں۔ (آب حیات ص ۴۰)

پھر مولانا ظفر احمد عثانی اور علامہ سمہودی کی عبارات بھی نقل کر کے لکھا ہے کہ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ علماء امت نے اس آیت کریمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور بعد از وفات دونوں حالتوں میں عموم سمجھ کر آپ کی قبر مبارک پر اس کو پڑھنا مستحب قرار دیا ہے اور یہ صرف آپ کی زندگی ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ پھر مولف موصوف لکھتے ہیں کہ اس کے متعلق مولانا محترم کی خدمت عالیہ میں ہم وہ جواب عرض کرتے ہیں جو آج سے کئی سو سال پہلے حضرت العلامہ المحقق محمد بن احمد بن عبدالہادی الحنبلی المتوفی ۷۴۴ھ نے صاحب شفاء السقام کو جواب دیا تھا۔

پھر مولف موصوف نے علامہ ابن عبدالہادی کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا۔ جس کے آخر میں ہے۔ اگر یہ آیت آپ کی زندگی اور موت دونوں حالتوں کو عام ہے تو سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے عام سمجھ کر استسقاء کے موقعہ پر آپ کی قبر مبارک پر جا کر آپ سے کیوں دعا نہ کرائی۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۷۱ تا ۱۷۴ ملخصا)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس مسئلہ میں علامہ ابن عبدالہادی فریق ہیں اور مولف موصوف کے مسلمہ اصول کے مطابق مخالف فریق کی بات حجت نہیں ہوتی تو اس مسئلہ میں علامہ ابن الہادی کی بات کو حجت کے طور پر پیش کرنا درست نہیں ہے۔

پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جب حضرت مالک الدار کی روایت ''بسند جید'' ذکر کی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جا کر ایک آدمی نے استسقاء کی دعا کی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے پاس موجود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس کی نکیر کرنے کی بجائے اس کی تائید فرمائی تو اس کے باوجود مطالبہ کرنا کہ بتلاؤ صحابہ نے کیوں آپ سے دعا نہ کرائی تو اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

دھوکہ نمبر ۸۵: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ''جاوک'' سے مراد عام ہے کہ آپ کی زندگی

کی حالت ہو یا بعد از وفات کی تو پھر ''حتی یحکموک'' کو بھی عام مان کر فیصلے بھی آپ سے ہی کرانے چاہئیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور فرماتے ہیں کہ اگر ''ولو انھم اذ ظلموا انفسلھم جاوک'' میں ''جاوک'' آپ ﷺ کی زندگی اور موت اور دونوں حالتوں کو عام ہے تو اس سے بعد والی آیت ''فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک'' بھی عام ہے تو پھر فیصلے بھی آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ سے کروانے چاہئیں۔

اسی طرح ''یاایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک'' بھی عام ہے تو آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ کی بیعت کے جواز کا قائل ہونا چاہئے۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۷۴ تا ۱۷۷ ملخصاً)

مؤلف موصوف کو مغالطہ لگا ہے۔ ورنہ ان کو دونوں باتوں میں فرق نمایاں نظر آ جاتا۔ فیصلہ اور بیعت کا تعلق دنیاوی تکلیفی زندگی کے ساتھ ہے۔ اس لئے کہ فیصلہ کے ساتھ نظام ارضی کو قائم رکھنے کا مقصد ہوتا ہے اور یہ حاکم اور محکوم دونوں کے لئے دنیاوی تکلیفی زندگی کے ساتھ متعلق ہیں۔ اسی طرح بیعت میں مذکورہ شرائط کی پابندی کا عہد لیا جاتا ہے کہ ان شرائط کی پابندی کر کے زندگی گزاروں گا۔

شرائط کی پابندی کا عہد لینا اور عہد دینا دونوں دنیاوی تکلیفی زندگی کے ساتھ ہیں اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں کہ آنحضرت ﷺ سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تکلیفی زندگی ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کو حکم بنانا اور آپ کی بیعت کرنا نہ تو جائز ہے اور نہ ہی اس کا کوئی قائل ہے اور دعا اور شفاعت کا تعلق صرف دنیاوی تکلیفی زندگی کے ساتھ نہیں بلکہ اس کا تعلق عالم برزخ اور عالم آخرت کے ساتھ بھی ہے۔

زندہ لوگ مردوں کے حق میں دعائیں کرتے ہیں اس کا کوئی بھی منکر نہیں اور مردے بھی زندہ لوگوں کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔ اگر کوئی اور بات ماننے کے لئے مؤلف موصوف اور ان کا طبقہ تیار نہیں تو کم از کم یہ تو ضرور مانتے ہوں گے کہ معراج کی رات حضور نبی کریم ﷺ کی وساطت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی امت کو سلام بھیجا تھا۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۸۴)

اور یہ سلام دعا نہیں تو اور کیا ہے؟ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عالم برزخ سے سلام بھیجا تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ مردے بھی زندہ لوگوں کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔ پھر بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ معراج کی رات آنحضرت ﷺ کی امت کے ساتھ نرمی کی سفارش کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور ﷺ سے درخواست کی اور حضور ﷺ نے پروردگار سے درخواست کی جس کی وجہ سے پچاس کی بجائے پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔

آنحضرت ﷺ کی امت کے لئے نرمی کی سفارش حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عالم برزخ میں کی تھی۔ اسی طرح صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ محشر کے میدان میں سفارش کا موقعہ ہر مومن کو درجہ بدرجہ دیا جائے گا تو یہ سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ دعاء اور شفاعت کا تعلق صرف دنیاوی تکلیفی زندگی کے ساتھ نہیں بلکہ عالم برزخ اور عالم آخرت کے ساتھ بھی ہے۔ جب تحکیم وبیعت اور دعا وسفارش میں نمایاں فرق ہے تو مؤلف موصوف کا مردہ سے دعاء وسفارش کے نظریہ کی تردید کے لئے تحکیم وبیعت کا نظریہ نہ ہونے کی دلیل بنانا سراسر مغالطہ دینا ہے۔ پھر مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد آپ سے بیعت کا سلف وخلف میں سے کوئی ایک بھی نہ اس کا قائل نہیں ہے اور نہ ہی اس پر عامل ہے۔ جب کہ ''اذا جاءک المومنات'' میں جاء کا لفظ آیا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۷۸)

بظاہر تو مؤلف موصوف نے اعتراض کیا ہے مگر درحقیقت انہوں نے مولانا صفدر صاحب کی جانب سے

جواب دے دیا ہے کہ دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔ اس لئے کہ اگر بیعت کا مسئلہ بھی دعاء وسفارش کی طرح ہوتا تو سلف صالحین میں سے کوئی تو اس کا قائل ہوتا۔ جب اس کا کوئی قائل نہیں اور دعا وسفارش کی علماء فقہاء ومحدثین کی معتد بہ جماعت قائل ہے تو اس سے واضح ہوگیا کہ دونوں باتوں میں نمایاں فرق ہے۔

پھر مولف موصوف لکھتے ہیں۔ چنانچہ العلامۃ المحقق محمد بشیر السہوانی الہندی اپنی مایہ ناز کتاب ''صیانۃ الانسان'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۷۵)

کاش مولوی صاحب! ابہام سے کام نہ لیتے بلکہ عوام الناس کو واضح طور پر بتلا دیتے کہ میں جس شخصیت پر العلامہ اور المحقق جیسے الفاظ بول کر اس کا قول نقل کر رہا ہوں یہ مشہور غیر مقلد ہیں۔ ابہام کی بجائے وضاحت ضروری تھی تا کہ عوام الناس کو معلوم ہو جاتا کہ مولف موصوف کس محقق شخصیت کا سہارا لے رہے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۸۶: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے عمدۃ الاثاث میں لکھا کہ حدیث مذکور نہ تو حضور ﷺ کا قول ہے اور نہ فعل ہے۔ لہٰذا حجت نہیں اور خود تسکین الصدور میں ایک اعرابی کے قول وفعل کو حجت مان لیا۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور فرماتے ہیں کہ مولانا صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ خود عمدۃ الاثاث میں تحریر فرماتے ہیں کہ اور حدیث مذکور (حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ ہے جس میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سال میں تین طلاقیں ایک ہی ہوتی تھیں۔ شیر محمد) نہ تو آنحضرت ﷺ کا قول ہے اور نہ فعل پھر اس کو کیونکر حجت گردانا جا سکتا ہے۔

کیا ہم مولانا صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ یہ اصول صرف غیر مقلدین کے لئے ہے یا آپ کے لئے بھی ہے یا آپ اس قانون سے مستثنیٰ ہیں کہ آپ کے لئے تو ایک اعرابی کا بھی قول وفعل حجت ہو اور دوسروں کے لئے صرف رسول کریم ﷺ کا قول وفعل حجت ہو ہم منتظر بیٹھے ہیں کہ دیکھئے مولانا صاحب اس کے جواب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۷۷، ۱۷۸)

ہم اس کی وضاحت پہلے کر چکے ہیں کہ عمدۃ الاثاث کی عبارت پیش کرنے میں مولف موصوف نے دھوکہ دہی سے کام لیا ہے اور پھر یہ کہنا بھی دھوکہ دہی سے خالی نہیں کہ ایک اعرابی کے قول وفعل کو حجت بنایا ہے۔ اس لئے کہ تسکین الصدور میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ معاملہ نرے خواب کا نہیں بلکہ اس سچے خواب کو خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید وتصویب حاصل ہے اور اس کارروائی کا حکم پہلے تو ''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین'' کے تحت سنیت کا ہوگا۔ ورنہ استحباب، اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہوگا۔ (تسکین الصدور ص ۳۵۱)

جب دلیل کا مدار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تصویب وتائید پر ہے تو مولف موصوف کا کبھی اس کو خواب کا واقعہ کہہ کر رد کرنا اور کبھی ایک اعرابی کا قول حجت بنانے کا طعن دینا سراسر دھوکہ ہے۔ اس لئے مولف موصوف حضرت مولانا صاحب کی جانب سے مزید کسی جواب کے منتظر بیٹھنے کی بجائے تھوڑی دیر کے لئے تعصب کی عینک آنکھوں سے اتار کر اگر حضرت مدظلہ کی عبارات کو ملاحظہ کریں تو نہ ان کو قانون کی خلاف ورزی نظر آئے گی اور نہ ہی ان کو جواب کا منتظر ہونا پڑے گا بلکہ قلب سلیم ان کو مزید کسی جواب کے انتظار کی تکلیف سے نجات دے دے گا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

دھوکہ نمبر ۸۷: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ وفات کے بعد نبی کریم ﷺ سے گفتگو کے لئے اذن شرعی کی کیا ضرورت ہے؟}

مولف آئینہ تسکین الصدور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معارف القرآن کے حوالہ سے عبارت نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ سے گفتگو کے لئے لوگوں کو اذن شرعی کی ضرورت ہے۔ خواہ وہ اذن قطعی ہو۔ یعنی صریح طور پر یا ظنی قرائن قویہ کے ذریعے۔

پھر مولف موصوف لکھتے ہیں۔ اب مولانا صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا وفات کے بعد اب کوئی اذن شرعی کی صورت ہے؟ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۸۰)

مولف موصوف سے گزارش ہے کہ اگر تسکین الصدور میں پیش کردہ بحث تعصب سے بالا ہو کر ملاحظہ کی ہوتی تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ حضرات فقہاء کرام نے آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضری دینے والے کے آداب میں لکھا ہے کہ پہلے درود شریف پڑھے اور پھر شفاعت طلب کرے۔ جب درود شریف پڑھے گا تو بمصداق حدیث مبارکہ "مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی" آنحضرت ﷺ کی توجہ اور فہم آپ کی طرف لوٹ آتی ہے۔

یہی مفہوم قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ ﷺ کی روح پر فتوح کو اس حالت "استغراق فی ذات اللہ تعالی و تجلیات اللہ" سے جو بوجہ "محبوبیت و محبیت تامہ" آپ کو حاصل رہتی ہے۔ اپنے ہوش عطاء فرما دیتا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۹۹)

جب روضہ اقدس پر درود و سلام بھیجنے کی صورت میں آپ کی توجہ ہوتی ہے اور یہ حدیث کے الفاظ اور بانی دار العلوم دیو بند کی وضاحت سے ثابت ہے تو آپ سے درخواست کی اذن شرعی پائی گئی۔ باقی رہا مولف موصوف کا "حتی تخرج الیھم" جیسے کلمات پیش کر کے عند القبر شفاعت کی تردید کرنا تو یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اس لئے کہ "حتی تخرج الیھم" کا تعلق اس زندگی کے ساتھ ہے جو زمین کے اوپر تکلیفی زندگی تھی اور آپ کا حجرہ سے باہر حاضر ہونے والوں کے پاس نکل کر جانے کا امکان تھا۔

قبر کی زندگی میں قیامت تک روضہ اقدس سے باہر نکلنے کا امکان نہیں تو اس کے احکام بھی مختلف ہوں گے۔ دنیا میں آپ کے حجرہ مبارکہ سے باہر نکلنے تک صبر و انتظار کی تلقین تھی اور قبر کی زندگی میں آنحضرت ﷺ کی توجہ حاصل کرنے کے لئے پہلے درود شریف پڑھنے کی تلقین ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے توجہ حاصل ہو اور پھر آدمی اپنی درخواست پیش کر سکے۔ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور وہ حضرات جن کی ترجمانی مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے ان کے نزدیک تو اس حدیث اور اس مفہوم کی دیگر احادیث کی روشنی میں اذن شرعی کی وضاحت ہے۔ مگر مولف موصوف ان احادیث کو ہی ماننے کے لئے تیار نہیں تو وہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی جانب سے اس کے بیان کردہ مفہوم کو کیسے ماننے کے لئے تیار ہوں گے اور ایسی ضد اور تعصب کا علاج اس دنیا میں نہیں ہو سکتا۔

دھوکہ نمبر ۸۸: {مولف موصوف فرماتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے "استشفاع عند القبر" کا جواز ثابت کرنے کے لئے "اقوال الرجال" سے کام لیا ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور فرماتے ہیں کہ مولانا صاحب مدظلہ العالی نے "استشفاع عند القبر" کی تائید میں اقوال الرجال سے کام لیا ہے۔ حالانکہ خود مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حجت تو صرف آپ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ کسی غیر معصوم کے قول میں حجت نہیں کہ جو کچھ اس نے کہہ دیا وہ حرف آخر ہو گیا۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۸۰، ۱۸۱)

مولف موصوف کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ **استشفاع عند القبر** کا مدار اقوال الرجال پر نہیں ہے بلکہ "ولو انھم اذ ظلموا انفسھم" کی تفسیر اور تعبیر ان حضرات کے اقوال سے واضح کی گئی ہے اور پھر **استشفاع عند القبر** کے عمل کی تائید وتصویب خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی ہے تو دلیل کا مدار اس پر ہے۔ محض اقوال الرجال پر نہیں ہے اور حضرات فقہاء ومحدثین کرام کی جانب سے کسی تعبیر کی وضاحت جو دلیل سے ثابت ہو اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔

پھر مولف موصوف نے راہ سنت کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں قبریں بھی ہوتی تھیں۔ مگر چادروں کا کوئی دستور نہ تھا بلکہ اسی پر ان کا عمل اور اتفاق رہا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۸۱)

راہ سنت کی اس عبارت سے واضح ہے کہ جس معاملہ میں خیر القرون کا عمل پایا جاتا ہو اس کے برخلاف متاخرین کی بات کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

اور **استشفاع عند القبر** کا عمل تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پایا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تائید وتصدیب اس کو حاصل ہوئی اس لئے راہ سنت کی عبارت کو **استشفاع عند القبر** کے نظریہ کے خلاف پیش کرنا دیانت کے سراسر خلاف ہے۔ پھر آگے مولف موصوف نے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت **استشفاع عند القبر** کے خلاف نقل کی ہے تو عرض ہے کہ **استشفاع عند القبر** کے بارہ میں علامہ ابن تیمیہ جمہور کے خلاف فریق ہیں۔ اس لئے اس معاملہ میں ان کی بات پیش کرنا درست نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ **استشفاع عند القبر** کا تو انکار کرتے ہیں مگر "سماع المیت" کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ان کی عبارات تسکین الصدور میں نقل کی گئی ہیں۔ نیز وہ فرماتے ہیں: "وسماع المیت للاصوات من السلام والقراءۃ حق" (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۸۱ طبع مصر) کہ میت کا سلام اور قرأت کی آوازوں کا سننا حق ہے۔ اگر مولف موصوف کو علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے "سماع المیت" کے نظریہ میں اختلاف ہے تو جمہور کو ان سے **استشفاع عند القبر** کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ جب علامہ ابن تیمیہ اس مسئلہ میں فریق ہیں تو ان کی بات کو پیش کرنا درست نہیں ہے۔

<u>دھوکہ نمبر ۸۹</u>: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ مردہ سے دعا کرانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور فرماتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں جس کا حوالہ خود مولانا محمد سرفراز خان صاحب نے دیا ہے کہ زندہ بزرگ سے دعا کرانا ثابت ہے۔ لیکن مردہ سے اگرچہ وہ نبی اور ولی ہی کیوں نہ ہو دعا مانگنے کا ثبوت شریعت محمدیہ میں قطعاً نہیں۔ نہ تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے اس کا ثبوت ہے اور نہ اتباع تابعین سے اور نہ ائمہ دین سے اور نہ ہی اس کے ثبوت میں کوئی صحیح حدیث موجود ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۸۳)

مولف موصوف نے یہ عبارت اس انداز سے نقل کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت کی تائید کی ہے۔ حالانکہ اس سے آگے مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں کہ تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اب فیصلہ کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل ص ۹۹)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے (فتاویٰ ج ۲ ص ۲ فارسی، ص ۱۰۶ مترجم اردو ج ۲ ص ۲۳۰) میں ایسا ہی لکھا ہے۔ (دل کا سرور ص ۵۴)

مگر اس سے آگے کی عبارتیں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کی تردید کے لئے پیش کی گئی ہیں اور ساری عبارت سے مطلب واضح ہے کہ علامہ ابن تیمیہ تو عندالقبر میت سے دعا کرانے کی تردید کرتے ہیں۔ مگر ان حضرات کی عبارت سے اجازت ثابت ہوتی ہے۔ عبارت کے سیاق وسباق سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن تیمیہ کے نظریہ کی تردید کی ہے۔ مگر مؤلف موصوف نے عبارت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر اس انداز سے نقل کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کے نظریہ کی تائید کی گئی ہے۔

دھوکہ نمبر ۹۰: {مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے استشفاع عندالقبر کی تردید فرمائی ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور عنوان قائم کرتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے اوّلین اور نامور شیخ الحدیث شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استشفاع عندالقبر کے بارے فتویٰ اور پھر اس کے تحت سوال وجواب نقل کر کے ان کا ترجمہ یوں کیا۔

سوال: ''طلب جاہ وسعت رزق'' اور اولاد میں زندوں کی مردوں سے استعانت کے بارے میں علماء کا کیا فیصلہ ہے۔ مثلاً قبروں کے پاس جا کر ان سے یہ کہا جائے کہ تم اللہ سے دعا مانگو کہ وہ ہماری تنگدستی دور فرمائے اور ہمارا رزق فراخ کرے۔ ہمیں زیادہ اولاد دے۔ ہمارے بیماروں کو شفاء فرمائے اور دین ودنیا میں ہمیں کامیاب فرمائے۔ کیونکہ تم ہمارے پیشواء اور خدا کے ہاں مستجاب الدعوات ہو تو کیا اموات سے اس طریق مذکور کے مطابق استعانت واستغاثہ جائز ہے یا نہیں اس کا جواز وعدم جواز کتاب وسنت اور اقوال مجتہدین سے بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دے؟

الجواب: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ میرے پروردگار مجھے مزید علم عطاء فرما۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ سے استعانت مطلوب ہے۔ لیکن مذکورہ بالا صورتوں میں شرعاً جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

پھر اس پر جن حضرات کے دستخط تھے ان کے نام لکھے اور ان میں حضرت شیخ الہند کا نام بھی ہے۔

(آئینہ تسکین الصدور ص ۱۸۴، ۱۸۵)

مؤلف موصوف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ان حضرات بالخصوص حضرت شیخ الہند نے استشفاع عندالقبر کی تردید فرمائی ہے۔ حالانکہ جس فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے انہوں نے یہ عبارت نقل کی ہے اس سے آگے یہ وضاحت موجود ہے کہ یہ جواب اجمالی ہے۔ چنانچہ حضرت گنگوہی کے دستخط کے ساتھ لکھا ہے: ''الجواب بھذا التفصیل صحیح'' اور تفصیل یوں بیان کی گئی ہے۔ لیکن اتنی بات اور لکھنی مناسب ہے کہ جواب مذکور اپنے اجمال پر صحیح ہے اور تفصیل یہ ہے کہ استمداد تین قسم کا ہے۔ ایک یہ کہ اہل قبور سے مدد چاہے، اسی کو سب فقہاء نے ناجائز لکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ کہے اے فلاں خدائے تعالیٰ سے دعا کر کہ فلاں کام میرا پورا ہو جائے۔ یہ مبنی اوپر مسئلہ سماع کے ہے جو سماع موتی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک درست دوسروں کے نزدیک ناجائز اسی کو شیخ نے لکھا ہے کہ: ''وان الاستمداد باھل القبور الی قولہ فقد انکرہ کثیر من الفقھاء'' انبیاء کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ دعا مانگے ''الٰھی بحرمۃ'' فلاں میرا کام پورا کر دے یہ بالاتفاق جائز ہے اور تمام شجرۂ میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے علماء میں اختلاف ہے کہ استمداد لفظ مشترک ہے کسی نے کسی کو لیا اور کسی نے کسی کو۔ قول ہر ایک کا اپنے معنی ومراد پر صحیح ہے۔ فقط محمد حسن عفی عنہ مدرسہ مدرسہ گلاوٹی مدرس اوّل۔ ''الجواب

بھذا لتفصیل صحیح '' رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، محمد حسن مرادآبادی۔ ابن مولوی عنایت اللہ عبدالرحمن مرحوم عبدالرحمن کان اللہ ولوالدیہ مدرس مدرسہ امروہہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۹۷)

جب یہ وضاحت ساتھ ہی موجود ہے تو مجمل فتویٰ سے مطلب برآری دیانت کے خلاف ہے۔ پھر اس فتویٰ میں مردوں سے استعانت کا ذکر ہے اور مافوق الاسباب استعانت خواہ مردوں سے ہو یا زندوں سے ہو یہ ناجائز ہے اور اگر استعانت سے مراد توسل ہو تو اس کے حضرت شیخ الہند قائل ہیں اور المہند کے تیسرے اور چوتھے سوال میں توسل کا وضاحت سے ذکر موجود ہے اور المہند پر حضرت شیخ الہند کے دستخط موجود ہیں اور اسی طرح حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ قرآن مجید ص ۱۷ میں بھی توسل کا جواز لکھا ہے جس پر علامہ نیلوی نے یوں طنز کیا ہے کہ اسی بعض کی تفسیر پر بریلویہ بھی بڑے نازاں ہیں۔ (ندائے حق جلد اوّل ص ۲۶۶ جز ثانی)

جب فتویٰ میں مذکور استعانت کا لفظ تفصیل طلب ہے اور جواب دینے والوں نے استعانت سے توسل کے علاوہ کا معنی مراد لے کر جواب لکھا ہے تو اس میں توسل کو بھی شامل کرنا سراسر دھوکا ہے۔ خصوصاً جب کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی توسل کے جواز پر واضح عبارت بھی موجود ہے۔

<u>دھوکہ نمبر ۹۱</u>: {مولف موصوف فرماتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا ہمنوا بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب نے تحریرات حدیث کا حوالہ دے کر پیر طریقت کو اپنا ہمنوا ظاہر کرنے کی ناکام سعی کی جب کہ تحریرات حدیث کے تمام مضامین بھی منتشر ہیں۔ کہیں صرف اعتراضات اور سوالات نقل کر کے چھوڑ دیا گیا ہے اور جو سوال و جواب آپ نے تفسیر بے نظیر میں درج فرمایا ہے وہ بھی آپ زیر نظر رکھیں اور جو مولانا نے حوالہ دیا ہے اس پر بھی غور کریں تو نتیجہ آپ کے سامنے آجائے گا۔

پھر مولف موصوف نے تفسیر بے نظیر کی عبارت نقل کی جس میں توسل کے بارہ میں پیش کی جانے والی بعض احادیث پر جرح کی گئی ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۸۶ تا ۱۹۰ ملخصاً)

مولف موصوف نے اس بحث سے نتیجہ یہ اخذ کیا کہ تحریرات حدیث کی بحث قابل اعتماد نہیں۔ اس لئے کہ اس کے مضامین منتشر ہیں اور تفسیر بے نظیر کی بحث معتبر ہے۔ جس میں حضرت پیر طریقت نے ان احادیث پر جرح کی ہے۔ حالانکہ اگر کوئی منصف مزاج آدمی دونوں کتابوں میں مذکور ابحاث کا مطالعہ کرے تو یقیناً اس نتیجہ تک پہنچے گا کہ تحریرات حدیث میں ان دلائل کو جواز کے لئے پیش کیا ہے۔ اس لئے کہ تعامل امت اس پر ہے۔ اسی لئے حضرت پیر طریقت نے اس میں امام عبدالوہاب شعرانی، ابن سنی، امام سیوطی اور علامہ ابن حجر کے حوالے دیئے ہیں جو کہ استشفاع کے قائل ہیں اور تفسیر بے نظیر میں اپنے ترجیحی نظریہ کو اجاگر کیا ہے اور اس کے لئے علامہ ابن تیمیہ کا حوالہ دیا جو کہ اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف ہیں۔

یہ کہنا بالکل ہوائی بات ہے کہ تحریرات حدیث میں اس مقام پر صرف اعتراضات ذکر کئے گئے ہیں اور جوابات تحریر میں نہیں آسکے۔ اس لئے کہ تحریرات حدیث میں ''باب قضاء الحاجة بالصلوة علی النبی'' کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت دلائل کے طور پر ان روایات کو ذکر کیا گیا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ حضرت پیر طریقت نے علامہ ابن تیمیہ کی قاعدہ جلیلہ پر مدار رکھا ہے اور مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ قاعدہ جلیلہ میں بیان کردہ نظریہ کی مخالفت کرتے ہیں تو یہ مخالفت صرف مولانا صفدر صاحب ہی

نہیں کرتے بلکہ مؤلف موصوف کے استاد محترم علامہ نیلوی صاحب اور ان کے طبقہ کے سرکردہ راہنما محترم سجاد بخاری صاحب بھی کرتے ہیں۔ کسی دوسرے مقام کا حوالہ دینے کی بجائے خود تفسیر بے نظیر میں اسی بحث کے دوران دیکھ لیں کہ حضرت پیر طریقت نے لکھا قاعدہ جلیلہ ص ۹۴ میں ہے۔ وسیلہ پکڑنا ساتھ نبی کریم ﷺ کے دعا میں بعد وفات کے بعض صحابہ اور تابعین اور امام محمد وغیرہ سے منقول ہے۔ اس کا معنی یہ ہے: ''اسالک بنبیک محمد ای اسالک بایمانی به و بمحبته'' (یہ تاویل ہے بصورت صحت ورنہ حدیث میں خود بحث ہے۔ نیلوی) (تفسیر بے نظیر ص ۱۱۴)

بین القوسین عبارت علامہ نیلوی کی ہے جو کہ قاعدہ جلیلہ کے حوالہ سے ذکر کردہ قول کو تاویل قرار دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اس کا مدار حدیث کی صحت پر ہے۔ ورنہ حدیث میں خود بحث ہے۔ یہ علامہ نیلوی صاحب کا اختلافی نوٹ ہے جو کہ قاعدہ جلیلہ کے حوالہ سے ذکر کردہ قول پر انہوں نے نوٹ فرمایا ہے۔ اگر علامہ نیلوی صاحب قاعدہ جلیلہ کے حوالہ سے ذکر کردہ قول سے اختلاف کا حق رکھتے ہیں اور محترم سجاد بخاری صاحب اس اختلاف پر خاموشی اختیار کر کے علامہ نیلوی کی ہمنوائی کر سکتے ہیں تو اگر مولانا صفدر صاحب نے قاعدہ جلیلہ کے حوالہ سے ذکر کردہ قول کو رد کر کے جمہور کے قول کو اختیار کیا ہے تو اس پر اعتراض کی کون سی بات ہے کہ مؤلف موصوف نے اس پر کئی صفحات سیاہ کئے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۹۲: {مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب نے استشفاع عند القبر کی حکایات کو مشرکین کے افعال کی طرف سے منسوب کیا ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب کی عبارتیں قارئین کرام کے پیش نظر ہیں وہ کیسے صاف لفظوں میں ان حکایات کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں اور ان افعال کو جو ان حکایات میں بیان کئے گئے ہیں۔ مشرکوں کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ جیسا کہ موصوف کی عبارت ''والذی فی هذه الحکایات لا یفعله الا المشرکون'' وضاحت کر رہی ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۰)

مؤلف موصوف نے تفسیر بے نظیر سے عنوان کاٹ کر بددیانتی کا مظاہرہ کر کے اپنا خود ساختہ نتیجہ نکالا ہے۔ ورنہ ہر آدمی تفسیر بے نظیر کے مطالعہ سے جان سکتا ہے کہ عبارت کا نتیجہ ہرگز وہ نہیں بنتا جو مؤلف موصوف بیان کر رہے ہیں۔

مؤلف موصوف نے جو عبارات پیش کی ہیں ان عبارات کو حکایات قرار دے کر ان تمام کو مشرکین کا فعل بتا رہے ہیں۔ حالانکہ حضرت پیر طریقت نے علیحدہ عنوان قائم کر کے لکھا ہے۔

''قول المشرکین مع جوابه قال المشرکون ان العلماء استغاث النبی ﷺ عند قبره فاغیثوا الجواب انه من الاکاذیب والذی فی هذه الحکایات لا یفعله الا المشرکون'' (تفسیر بے نظیر ص ۱۱۶)

عنوان قائم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مسئلہ مستقل ہے۔ اس کا ماقبل سے تعلق نہیں اور ''فی هذه الحکایات'' سے مراد وہ حکایات ہیں جو مشرکین اس بارہ میں بیان کرتے ہیں اور ان ہی حکایات کو حضرت پیر طریقت نے ''لا یفعله الا المشرکون'' فرمایا ہے۔ مگر مؤلف موصوف دھوکہ دہی سے کام لیتے ہوئے عنوان کاٹ کر ''فی هذه الحکایات'' سے ان احادیث کو مراد لے رہے ہیں جو حضرت پیر طریقت نے ''قول المشرکین مع جوابه'' کا عنوان قائم کرنے سے پہلے ذکر کی ہیں۔ جن کو توسل اور استشفاع کے قائلین نے دلیل بنایا ہے۔

حضرت پیر طریقت نے اگرچہ فنی انداز میں ان احادیث پر جرح کی ہے، مگر انہوں نے اس کو دلیل بنا کر جواز کا نظریہ رکھنے والوں کو مشرک نہیں کہا اور نہ ہی اس کے بارہ میں ''لا یفعله الا المشرکون'' فرمایا ہے۔ انہوں نے تو مشرکین کی

جانب سے بیان کردہ حکایات کے بارہ میں یہ فرمایا ہے بلکہ اس کو مشرکین کا فعل قرار دینا صرف مؤلف موصوف کی متعصبانہ سوچ کا نتیجہ ہے۔ جنہوں نے شرک کی توپ سنبھال رکھی ہے اور وہ اس سے اندھا دھند گولے برسانا اپنا جماعتی مشن سمجھتے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۹۳: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے جن حضرات کے اقوال پیش کئے ہیں کیا وہ سب مجتہد ہیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب ایک بریلوی کو جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ باقی کسی غیر معصوم اور غیر مجتہد کی بات حجت نہیں ہے۔ (راہ سنت ص ۱۹)

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف موصوف لکھتے ہیں ہم مولانا صاحب کی زبان ہی سے مولانا صاحب سے پوچھ لیتے ہیں کہ کیا جن حضرات سے مولانا صاحب اور ان کے ہم نواء بزرگ استدلال واحتجاج کیا کرتے ہیں وہ سب کے سب مجتہد ہیں؟ اگر مجتہد ہیں تو چشم ماروشن دل ماشاد۔ اگر نہیں تو اس وقت یہ قاعدہ کہاں جاتا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۱)

اگر مؤلف موصوف اور ان کے ہم نواء خود فریبی کے جال سے نکلیں اور تعصب کی پٹی آنکھوں سے ہٹا کر دیکھیں تو ان کو اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تصویب نظر آئے گی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مجتہد ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے؟ پھر حضرت امام مالک کا ارشاد نظر آئے گا جن کا مجتہد ہونا مسلم ہے اور پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی صاحب نے لکھا ہے۔ قاعدہ جلیلہ ص ۴۹ میں وسیلہ پکڑنا ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا میں وفات کے بعض صحابہ اور تابعین اور امام احمد وغیرہ سے منقول ہے۔ (تفسیر بے نظیر ص ۱۱۳) امام احمد کے مجتہد ہونے میں کس کو اختلاف ہے۔

اس لئے منصف مزاج آدمی تو کھلے دل سے کہے گا چشم ماروشن دل ماشاد۔ مگر میں نہ مانوں کی رٹ لگانے والوں کا معاملہ اس سے جدا ہوگا۔

دھوکہ نمبر ۹۴: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ کیا استشفاع عند القبر کی اباحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے لکھا ہے کہ کسی مباح کی اباحت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتی۔ (راہ سنت ص ۱۸۶) تو کیا استشفاع عند القبر کی اباحت کے بارے میں کوئی نقل صحیح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے موجود ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۲)

اگر مؤلف موصوف بنظر انصاف تسکین الصدور کا مطالعہ کرتے تو ان کا ایسا سوال کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اس لئے کہ اس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اس سچے خواب کو خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید وتصویب حاصل ہے اور اس کارروائی کا حکم پہلے تو ''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین'' کے تحت سنیت کا ہوگا۔ ورنہ استحباب اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہوگا۔ (تسکین الصدور ص ۳۵۱)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تصویب وتائید کو ''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین'' کے تحت سنیت یا کم از کم جواز کے درجہ میں بیان کردیا گیا ہے تو کیا ''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر مؤلف موصوف کا راہ سنت کی عبارت کو تعارض کی صورت میں پیش کرنا ان کی لاعلمی کی دلیل ہے یا سراسر دھوکا ہے۔

دھوکہ نمبر ۹۵: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے لکھا ہے کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد ائمہ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہوتا ہے اور استشفاع عند القبر بھی ثابت نہیں تو اس کو کیوں جائز سمجھتے ہیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب کا ایک اور بہت بڑا قیمتی حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں کہ امام جب فرائض میں مصروف ہو تو آیت رحمت پر سوال رحمت نہیں کر سکتا اور آیت عذاب پر عذاب سے پناہ نہیں مانگ سکتا بلکہ یہ بدعت ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ اور بعد کے ائمہ سے یہ ثابت نہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۳)

مؤلف موصوف کا اپنے موقف کی تائید میں اس حوالہ کو ذکر کرنا بالکل بے سود ہے۔ اس لئے کہ علامہ شامی نے فرمایا کہ امام فرض نماز میں سوال رحمت یا پناہ عذاب نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ آنحضرت ﷺ اور بعد کے ائمہ سے ثابت نہیں بلکہ یہ بدعت ہے۔

مؤلف موصوف اس حوالہ کو توسل اور استشفاع عند القبر کے مسئلہ میں بطور تعارض پیش کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ واضح دلائل سے تسکین الصدور میں ذکر کیا گیا ہے کہ توسل اور استشفاع عند القبر کا مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تصویب و تائید اور حضرات فقہاء و محدثین کی تحقیقات کی روشنی میں ثابت ہے۔ جب امام کے فرض نماز میں سوال رحمت یا پناہ عذاب کی درخواست حضور ﷺ اور ان کے بعد کے ائمہ سے ثابت نہیں اور توسل اور استشفاع عند القبر صحابہ تابعین اور فقہاء و محدثین سے ثابت ہے تو دونوں کو ایک جیسا قرار دے کر تعارض کی صورت میں پیش کرنا اور اس پر بدعت کا لیبل لگانے کی ناکام کوشش کرنا سراسر جہالت یا خالص دھوکہ ہے۔

دھوکہ نمبر ۹۶: { مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے علامہ نیلوی صاحب کے آیت کے ترجمہ کو تحریف کہا۔ حالانکہ خود مولانا صاحب نے وہی ترجمہ کیا ہے۔ }

علامہ نیلوی صاحب نے آنحضرت ﷺ اور حضرات شیخین کی قبور کے پاس سفارش کی التجاء اور شفاعت کی درخواست کو قرآنی آیت: ''ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ'' کے مفہوم میں شامل قرار دے کر اس کو شرکیہ عمل ظاہر کیا تو اس پر حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ مؤلف ندائے حق کا آنحضرت ﷺ اور اسی طرح شیخین کی قبور کے پاس سفارش کی التجاء اور شفاعت کی درخواست کا ''ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ'' کا مصداق قرار دینا خالص تحریف ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۸۰)

اس پر مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب کو اس کا جواب اپنی تحریرات ہی سے ہو جائے تو اس سے زیادہ اچھا جواب اور کیا ہوگا۔

گزارش یہ ہے کہ مولانا صاحب خود اس تحریف کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ پھر مؤلف موصوف نے گلدستہ توحید سے دو عبارتیں پیش کیں جن کا ترجمہ یوں ہے اور وہ عبادت کرتے ہیں۔ اللہ کے ورے اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس تو کہہ کیا تم بتلاتے ہو اللہ کو وہ چیز جو اس کو معلوم نہ ہو آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے اس سے کہ وہ شریک ٹھہراتے ہیں اور جنہوں نے پکڑ لئے اس سے ورے حمایتی (کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کو پکارتے ہیں اس واسطے کہ وہ ہم کو اللہ کے قریب پہنچا دیویں درجہ میں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین جو غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے یا ان کو پکارتے تھے تو ان کو مستقل نہ سمجھتے تھے اور نہ خدا بلکہ ان کو خدا کے تقریب کا ذریعہ اور واسطہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام اور ہماری حاجتیں خدا کے پاس پیش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مافوق الاسباب سفارش (یعنی غائبانہ اور مردہ سے) کو بھی شرک کہا ہے۔ پہلی آیت کے آخر میں 'عمایشرکون'' میں اس کو صاف شرک سے تعبیر کیا ہے۔ انتہی!

محترمی استاذی علامہ نیلوی صاحب نے یہی معنی کئے تھے تو تحریف خالص تھی۔ اگر مولانا صاحب نے یہی معنی کئے تو تفسیر خالص ہوگئی یاللعجب! (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۴، ۱۹۵)

اگر مؤلف موصوف کو ان کا جماعتی مشن مولانا صفدر صاحب اور علامہ نیلوی صاحب کے بیان کردہ تراجم میں فرق سے رکاوٹ بن رہا ہے تو دوسرے حضرات بخوبی جان سکتے ہیں کہ ان دونوں حضرات کے بیان کردہ تراجم میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ گلدستہ توحید کی عبارات کے تراجم سے ظاہر ہے کہ مشرکین جن سے مدد چاہتے تھے ان کی عبادت کرتے تھے اور مافوق الاسباب غیر اللہ سے مدد چاہنا اور غیر اللہ کی عبادت کرنا دونوں باتیں خلاف شرع ہیں۔ جب کہ استشفاع عند القبر کے قائلین نہ تو قبر والے کی عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی مافوق الاسباب مدد مانگتے ہیں بلکہ جمہور کے سماع الموتی کے نظریہ کے تحت قبر والے سے دعاء کی درخواست کرتے ہیں۔

اور دعاء کی درخواست کرنا عبادت نہیں ہے۔ اگر یہ عبادت ہوتی تو زندگی میں بھی کسی سے دعا کی درخواست ممنوع ہوتی اور نہ ہی یہ مافوق الاسباب مدد چاہنا ہے۔ اس لئے کہ جمہور کے نزدیک قبر کے پاس میت کا سماع ثابت ہے تو جیسے زندگی میں اس سے دعا کی درخواست تحت الاسباب ہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی تحت الاسباب ہی ہے۔

مؤلف موصوف نے گلدستہ توحید کی عبارات سے اپنی مرضی کا مفہوم نکالنے کے لئے بین القوسین عبارت میں (اور مردہ سے) کا اضافہ کر کے دھوکہ دیا ہے۔ ورنہ گلدستہ توحید کی عبارت میں بین القوسین صرف غائبانہ کے الفاظ ہیں۔ (گلدستہ توحید ص ۱۲۲)

اسی طرح مؤلف موصوف نے آگے ایک عبارت گلدستہ توحید سے نقل کی۔ (گلدستہ توحید ص ۱۳۷) پر مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں حضرات آج کلمہ گو مشرکوں کا بھی یہی شرک ہے۔ ایک رتی فرق نہیں کیا۔ مافوق الاسباب سفارشوں (غائبانہ اور مردوں سے) کا نظریہ ان میں آج موجود نہیں ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۵)

اس عبارت میں بھی بین القوسین عبارت کا اضافہ کر کے مؤلف موصوف نے دھوکہ دیا ہے۔ ورنہ گلدستہ توحید میں یہ عبارت نہیں ہے۔ (گلدستہ توحید ص ۱۲۷)

بلکہ خود مؤلف موصوف نے آگے جب یہی عبارت نقل کی تو اصل عبارت بغیر اضافہ کے یوں نقل کی حضرات آج کلمہ گو مشرکوں کا بھی یہی شرک ہے۔ ایک رتی فرق نہیں ہے۔ کیا مافوق الاسباب سفارشوں کا نظریہ ان میں آج موجود نہیں ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۸) یہ عبارت پیش کر کے مؤلف موصوف نے پہلی نقل کردہ عبارات میں اپنی خیانت کا خود ثبوت پیش کر دیا ہے۔

دھوکہ نمبر ۷۹: {مؤلف موصوف استشفاع عند القبر کی تردید میں فرماتے ہیں کہ شیطان نے پہلے لوگوں کو بزرگوں کے مجسموں کی تعظیم پر لگایا۔ اب بزرگوں کی قبروں کی تعظیم پر لگا دیا۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور نے گلدستہ توحید میں بعض بزرگوں کی ذکر کردہ عبارات نقل کیں جن میں ہے کہ مشرکین نے اپنے بزرگوں کے مجسمے بنا کر ان کی عبادت شروع کر دی تھی اور گلدستہ توحید میں ہے کہ ان عبارات کی روشنی میں یہ بات بالکل نکھر کر سامنے آگئی کہ پیغمبروں اور بزرگوں کے مجسموں اور تماثیل سے مشرکین نے یہی عقیدت قائم کر رکھی تھی کہ وہ سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں اور اپنی عبادت کرنے والوں کی (اللہ کے نزدیک) سفارش کرتے ہیں اور ان کاموں کی تدبیر اور نصرت کرتے ہیں۔ (گلدستہ توحید ص ۷۵، ۷۶)

اور اب وہی عقیدت پیغمبروں اور بزرگوں کے مجسموں کے بجائے ان کی قبروں سے وابستہ کر رکھی ہے جس کی واضح الفاظ میں خود مولانا صاحب نے وضاحت فرمادی ہے کہ شیطان کے لئے یہ تو از حد مشکل تھا کہ وہ کلمہ پڑھنے والوں کو بتوں کی پرستش کراتا۔ کیونکہ وہ اس محاذ پر ایسی شکست کھا چکا تھا کہ اس کا دوبارہ سر اٹھانا محال تھا۔ اس لئے اس نے پینترا بدلہ اور بزرگوں کے بتوں اور مجسموں کے بجائے قبروں سے وہی عقیدت رکھنی شروع کرادی جو پہلے بتوں اور مجسموں سے وہ بارہا کرا چکا ہے۔ (گلدستہ توحید ص ۱۳۱، آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۶ تا ۱۹۸)

اگر مولف موصوف اپنے جماعتی بے بنیاد نظریہ کو ثابت کرنے کے ہی در پے نہ ہوتے تو ان کو فرق نظر آ جاتا کہ بزرگوں کی قبروں اور ان کے مجسموں کی عبادت کر کے تعظیم بالکل خلاف شرع ہے۔ جس کا ذکر گلدستہ توحید میں کیا گیا ہے۔ جب کہ بزرگوں بالخصوص آنحضرت ﷺ اور حضرات شیخین کی قبور پر حاضری دے کر دعا کی درخواست کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید وتصویب سمیت ائمہ مجتہدین وفقہاء کی صریح عبارات سے ثابت ہے اور اہل علم کا معتد بہ طبقہ اس کے جواز کا قائل ہے۔ اس لئے ان دونوں کو ایک جیسا قرار دے کر گلدستہ توحید اور تسکین الصدور کی عبارات میں تعارض ظاہر کرنا نری جہالت یا سراسر دھوکہ دہی ہے۔

استشفاع کے متعلق مجلس مقننہ اشاعت التوحید والسنت پاکستان کا فیصلہ

مؤلف آئینہ تسکین الصدور یہ عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ ہماری جماعت کے نزدیک کسی پیغمبر یا ولی کے مزار پر جا کر یہ کہنا کہ میرے لئے دعا کریں۔ بدعت قبیحہ مستحدثہ اور ذریعہ شرک ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۹)

شاید مولف موصوف نے اس فیصلہ کو اس لئے ذکر کیا ہے تا کہ تسکین الصدور پر تصدیقات لکھ کر علمی آسمانوں نے اس کی جو تائید کی ہے اس کا تقابل ہو سکے۔ مگر یہ صرف طفل تسلی ہے۔ اس لئے کہ مولف موصوف نے جن حضرات کے اس فیصلہ پر نام ذکر کئے ہیں، یہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود سب مل کر بھی علم وخلوص میں تصدیقات لکھنے والوں میں سے کسی ادنیٰ کے عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتے۔

چہ جائیکہ ان کو تقابل میں پیش کیا جائے۔ پھر اشاعت التوحید والوں کی شاہراہ ہی جدا ہے۔ وہ چاہیں تو فرض نماز کے بعد سنت اور سلف صالحین سے ثابت دعا کو بدعت قرار دیں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے مختلف فیہ چلے آتے مسئلہ سماع موتی کے ماننے والوں کو ابو جہل کا ٹبر قرار دے دیں۔

اور چاہیں تو بریلویوں کا راستہ روکنے کے لئے ختم پڑھنے کے لئے اپنے مدرسہ کے طالب علم بھیج دیں۔ خواہ عام حالات میں ختم کو بدعت ہی قرار دیتے رہیں۔ اس لئے اگر انہوں نے استشفاع عند القبر کو بدعت مستحدثہ قرار دیا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

<u>دھوکہ نمبر ۹۸</u>: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے لکھا ہے کہ آیت: ''انک لا تسمع الموتی'' مطلقاً نفی سماع موتی کی دلیل نہیں ہے۔ حالانکہ خود انہوں نے حضرت کشمیری سے نقل کیا کہ آیت بظاہر مطلقاً نفی پر دلالت کرتی ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ محترم مولانا شیخ التفسیر والحدیث محمد سرفراز خان صاحب صفدر (تسکین الصدور ص ۳۸۲) پر ارقام فرماتے ہیں۔ بہرکیف یہ آیت کریمہ ''انک لا تسمع الموتی'' مطلقاً نفی سماع

موتی کی دلیل نہیں ہے اور پھر قطعی اور یقینی طور پر دلیل نہ ہونا تو واضح امر ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ جس آیہ کریمہ کے متعلق مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ مطلقاً نفی سماع کی دلیل نہیں ہے۔ اسی آیت کے متعلق مولانا کے قلم سے یہ تحریر رقم ہوئی ہے کہ قرآن کریم میں ''انک لا تسمع الموتی ولا تسمع من فی القبور (والصحیح وما انت بمسمع من القبور۔ ناقل)'' مؤلف موصوف نے بھی آیت صحیح نہیں لکھی بلکہ صحیح ''وما انت بمسمع من فی القبور'' ہے۔ قارن) کے ظاہری الفاظ سے معاملہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے بظاہر سماع موتی کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ (سماع الموتی ص ۱۷۹، ۱۷۳)

حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری فیض الباری جلد دوم ص ۴۶۷) میں فرماتے ہیں۔ یعنی رہا قرآن کریم کا معاملہ تو وہ مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بے شک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نیز فرمایا اور تو ان کو نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں اور یہ ظاہر مطلقاً نفی پر دلالت کرتا ہے۔ (ترجمہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کا اپنا کیا ہوا ہے)

تبصرہ: اب مولانا صاحب کا وہ دعویٰ کہاں گیا کہ یہ آیت کریمہ مطلقاً نفی سماع موتی کی دلیل نہیں ہے۔

(آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۹، ۲۰۰)

مؤلف موصوف نے جو تسکین الصدور اور سماع الموتی کی عبارات میں بظاہر تعارض کی صورت پیش کر کے مولانا صفدر صاحب کو اپنے دعویٰ کے خلاف کرنے کا طعن دیا ہے تو یہ بالکل باطل ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ تسکین الصدور میں قاضی ثناء اللہ صاحب کی عبارت کا نتیجہ پیش کیا گیا ہے کہ آیت میں سماع الموتی سے نفی ایسے سماع کی ہے جو کہ سماع نافع ہو مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہے بلکہ مقید سماع کی نفی ہے۔

اور سماع الموتی میں حضرت انور شاہ صاحب کشمیری کی عبارت ہے کہ بظاہر قرآن کریم مطلقاً نفی پر دلالت کرتا ہے تو تسکین الصدور کی عبارت اس صورت پر محمول ہے۔ جب کہ سماع نافع کی توجیہ کو مدنظر رکھا جائے جو توجیہ قاضی ثناء اللہ صاحب سمیت کئی محدثین کرام نے بیان کی ہے اور سماع الموتی کی عبارت اس صورت پر محمول ہے۔ جب کہ صرف قرآن کریم کے ظاہر کو مدنظر رکھیں اور کسی توجیہ کا لحاظ نہ رکھیں۔ جب دونوں عبارتوں میں صورت کے لحاظ سے نمایاں فرق ہے تو ان کو ایک دوسرے کے معارض کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

پھر مؤلف موصوف نے حضرت کشمیری کی صرف اشکال والی عبارت کو ذکر کیا ہے اور انہوں نے اس اشکال کا جو جواب دیا ہے اس کو ذکر کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ چنانچہ اس کے آگے لکھا سو اس کے جواب میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ سماع اور اسماع کا فرق ہے۔ نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی اور ہمارا مطلوب سماع ہے نہ کہ اسماع۔ (سماع الموتی ص ۱۷۴)

جب حل اشکال کو پیش نظر رکھا جائے تو پھر آیت نفی سماع کی دلیل بنتی ہی نہیں۔ اس لحاظ سے تسکین الصدور میں پیش کردہ قاضی ثناء اللہ صاحب کی اور سماع الموتی میں پیش کردہ علامہ کشمیری کی عبارات میں کسی قسم کا بظاہر بھی تعارض نہیں رہتا۔

اس لئے مؤلف موصوف سے گزارش ہے کہ کسی کے اشکال والے حصہ کو ذکر کر دینا اور حل اشکال کو ترک کر دینا علمی دنیا میں علمی خدمت نہیں بلکہ بدترین دھوکہ شمار ہوتا ہے۔ پھر آگے مؤلف موصوف لکھتے ہیں۔ اب مزید حوالے ملاحظہ فرمایئے (فتح الباری ج ۷ ص ۲۳۶، ۲۳۷) ''وقد اختلف اھل التاویل فی المراد بالموتی فی قولہ تعالی انک لا تسمع الموتی'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۰۰)

مولف موصوف علامہ ابن حجر کی یہ عبارت پیش کر کے خوش ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو خوش ہونے کی بجائے فکر مند ہونا چاہئے تھا کہ علامہ ابن حجر نے اس نظریہ کو جمہور کے خلاف قرار دیا ہے۔

جب کہ علامہ نے جمہور کا نظریہ جو بیان کیا ہے وہ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۶) میں یوں بیان کیا ہے جس کے ترجمہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ ''جمہور کے مسلک کے مطابق احادیث ثابت ہیں۔ مثلاً یہ کہ مردہ دفن کرنے والوں کی واپسی پر ان کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے اور یہ کہ قبر کی تنگی کی وجہ سے اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں اور یہ کہ اس کو جب ہتھوڑے سے پیٹا جاتا ہے تو اس کی آواز سنی جاتی ہے اور یہ کہ اس کے دونوں کانوں کے درمیان گرز ماری جاتی ہے اور یہ کہ منکر و نکیر اس کو بٹھاتے ہیں تو جملہ امور اجسام کی صفات ہیں۔'' (سماع الموتی ص ۱۴۸)

پھر مولف موصوف نے حضرات علماء کرام حنفیہ کے فتاویٰ در بارہ عدم سماع موتی کا عنوان قائم کر کے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن کی دو عبارتیں پیش کیں مگر آخر میں ان کے نظریہ سے اختلاف بھی کیا۔ مفتی عزیز الرحمن صاحب نے لکھا ہے: ''وقد اجاب فی الفتح وغیرہ عن الحدیث الوارد فیہ ای حدیث اھل قلیب بدر اَوْ لوا (ای الفقهاء) حدیث سماع قرع النعال بانہ باول الوضع فی القبر فقط واللہ تعالٰی اعلم'' (کتبہ عزیز الرحمن)

(باول الوضع فی القبر کی کوئی تخصیص ثابت نہیں مطلق سماع ثابت نہیں۔ شیر محمد) (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۰۱)

مفتی عزیز الرحمن صاحب نے فتح الباری کے حوالہ سے لکھا کہ قلیب بدر والوں کے بارہ میں جو حدیث ہے حضرات فقہاء کرام نے اس کی تاویل کی ہے اور میت کے جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ سننے کی حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ معاملہ قبر میں اتارے جانے کے بعد ابتدائی وقت میں ہوتا ہے۔

مولف موصوف اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قبر میں اتارے جانے کے ابتدائی وقت میں جوتوں کی آواز سننے کی تخصیص ثابت نہیں ہے مطلق سماع ثابت نہیں۔

جب مولف موصوف کو خود مفتی عزیز الرحمن کے فتویٰ سے اختلاف ہے تو اس کو اپنی تائید میں کیسے پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ باقی جو انہوں نے اپنے نظریہ کے مطابق عدم سماع موتی کی بحث کی ہے تو اس کی تفصیل سماع الموتی میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

<u>دھوکہ نمبر ۹۹</u>: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب عبارت نقل کی ہے وہ غلط ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور عنوان قائم کرتے ہیں۔ سماع موتی کے سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز کی طرف ایک غلط بات کا انتساب۔ پھر اس کے تحت انہوں نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ص ۴۲۱ کے حوالہ سے لکھا کہ مفتی عزیز الرحمن صاحب نے فرمایا اور حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب کرنا اس قول کا جو آپ نے نقل کیا ہے غلط ہے۔ شاہ صاحب کا کوئی ایسا فتویٰ سند معتبر سے ثابت نہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۰۴، ۲۰۵)

محترم مولف موصوف سے عرض ہے کہ جب شاہ عبدالعزیز صاحب کا فتویٰ خود ان کے اپنے فتویٰ عزیزیہ (جلد اول ص ۸۸) میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ ''بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نہ باشد در الحاد بودن او شبہ نیست'' تو ان الفاظ سے فتویٰ ہوتے ہوئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان کا فتویٰ سند معتبر سے

ثابت نہیں۔ ایسی صورتحال میں یہی کہا جائے گا کہ حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس فتویٰ کا علم نہ تھا۔ اسی لئے انہوں نے اس کے بارہ میں ایسا کہا۔

مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کی اس عبارت کی آڑ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اصل فتویٰ کا انکار کرنا جوان کے فتویٰ میں مذکور ہے۔ کسی طرح بھی درست نہیں، ہے بلکہ خود کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔ پھر تقریباً تمام اکابر یہی فرماتے ہیں کہ مسئلہ سماع موتی دور صحابہ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ مگر جبل تعصب کی غار میں پناہ گزین مؤلف موصوف لکھتے ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ عدم سماع موتی میں صحابہ کرام میں اختلاف نہیں رہا تھا۔ اس کے لئے ''شفاء الصدور فی عدم سماع من فی القبور'' مصنفہ حضرت مفتی محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مدظلہ ملاحظہ فرمائیں۔ زمانہ صحابہ میں اس مسئلہ پر اختلافی ہونے کا حکم لگانے کی بنیاد مجھے نہیں مل سکی۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۰۵)

اکابر سے راستہ بدلنے والوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کو واضح چیز بھی نظر نہیں آتی۔

دھوکہ نمبر ۱۰۰: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے مشروع اور غیر مشروع توسل کی وضاحت نہیں کی۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب نے مشروع توسل کا نام لکھ کر وضاحت کر دی ہے کہ غیر مشروع توسل بھی کوئی ہے۔ لیکن مشروع توسل وغیر مشروع توسل کی وضاحت کرنے سے گریز کیا ہے۔

(آئینہ تسکین الصدور ص ۲۰۷، ۲۰۸)

اگر کوئی آدمی بنظر انصاف تسکین الصدور اور سماع الموتی کا مطالعہ کرے تو اس کو ان کتابوں میں مسئلہ توسل کی مشروع اور غیر مشروع صورتوں کی وضاحت نظر آئے گی۔ مثلاً مختصر الفتاویٰ المصریہ کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے اور پھر واضح لکھا گیا ہے کہ اس قسم کا توسل یقیناً باطل اور مردود ہے۔ (تسکین الصدور ص ۴۰۶)

جب مشروع توسل کے ساتھ ساتھ غیر مشروع توسل کا ذکر کر کے اس کا رد کیا گیا ہے تو اس کے باوجود یہ کہنا کہ مشروع اور غیر مشروع کی وضاحت نہیں کی یہ صرف ضدی کا کام ہی ہوسکتا ہے۔

مشروع توسل کی صورتیں

مؤلف موصوف مشروع توسل کی صورتیں کا عنوان قائم کر کے ص ۲۰۸ تا ۲۱۶ میں توسل کی چھ صورتیں لکھتے ہیں اور سہارا غیر مقلد عالم مولانا محمد بشیر سہسوانی کی کتاب ''صیانۃ الانسان'' کا لیا ہے۔

ہماری گزارش ہے کہ اگر غیر مقلد عالم کا ہی سہارا لینا تھا تو قاضی شوکانی کا سہارا لیتے جو غیر مقلدین میں علم حدیث اور فہم حدیث میں سہسوانی صاحب سے مقدم ہیں اور وہ نہ صرف توسل بلکہ استشفاع کے بھی قائل ہیں۔

مؤلف موصوف نے مشروع توسل میں سے:

پہلی صورت: لکھی کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی صفات ذکر کر کے دعا کی جائے۔

دوسری صورت: لکھی کہ اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا جائے۔

تیسری صورت: لکھی کہ آنحضرت کی تصدیق اور ان پر ایمان لانے کو وسیلہ بنا کر دعا کی جائے اور اسی صورت

میں لکھا کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر نیک لوگوں کے ساتھ محبت اور ان کی بزرگی کی وجہ سے ان کو وسیلہ بنانا یہ اگرچہ وسیلہ شخصیات کو بنانا ہے۔ مگر در حقیقت اعمال صالحہ کا وسیلہ ہے اور یہ عین دین اسلام ہے اور اس کا مسلمانوں میں سے کوئی بھی منکر نہیں ہے۔

ہماری مولف موصوف اور ان کے رفقاء سے گزارش ہے کہ کیا وہ وسیلہ کی اس صورت کو جائز سمجھتے ہیں۔ مثلاً کوئی آدمی کہے کہ یا اللہ میں فلاں نبی یا فلاں ولی کو وسیلہ بنا کر تجھ سے دعا کرتا ہوں۔ میرا کام کر دے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ میری اس نبی یا ولی کے ساتھ عقیدت و محبت میرا عمل ہے اور اس کی وجہ سے میں یہ وسیلہ پیش کر رہا ہوں۔ اگر ان حضرات کے نزدیک یہ صورت جائز ہے تو اس کی وضاحت کریں اور اگر نہیں تو پھر سہوانی صاحب کے اس حوالہ کو پیش کیوں کیا گیا جن کی عبارت یہ ہے: ''و کذالک التوسل بالصالحین بمحبتهم و توقیدهم و اجلالهم و ما یحذو حذوه و هذا التوسل هو عین دین الاسلام لا یجحده احد من المسلمین لکن هدا التوسل فی الحقیقة هو التوسل بالاعمال الصالحة و ان سماه احد توسلا بالانبیاء و الصالحین فلا یتغیر حکمه بهذه التسمية فان العبرة للمسمی و المعنون لا للاسم و العنوان'' (صیانۃ الانسان ص ۱۹۹، آئینہ تسکین الصدور ص ۲۱۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ وسیلہ شخصیت کو بنائے اور مراد اس کے ساتھ عقیدت و محبت کا عمل لے۔ اب لازمی بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی وسیلہ بنانے کا اس میں ذکر ہے تو یہ وسیلہ بالاموات ہی ہوگا۔

مولف موصوف نے توسل کی چوتھی صورت یہ لکھی کہ کسی زندہ بزرگ سے دعا کرا کر اس کی دعا کے ذریعہ اور وسیلہ سے خدا تعالیٰ سے قبولیت چاہنا اور پانچویں صورت یہ لکھی کہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کو عباد اللہ الصالحین فرشتگان یا انبیاء و مرسلین یا بندگان صالحین میں سے کسی کی طرف مضاف کر کے دعا کرنا جیسے دعا میں کہنا ''اللهم رب جبر نیل'' وغیرہ۔

اور توسل کی چھٹی صورت یہ لکھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ کر اس کے ذریعہ سے دعاء کی قبولیت چاہنا۔

توسل کی ان چھ صورتوں کو ذکر کر کے مولف موصوف لکھتے ہیں۔ پس یہ چھ قسم کا وسیلہ اور توسل جائز ہے جس میں کوئی خطرہ شرک اور بدعت کا نہیں ہے اور بالاتفاق جائز ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۱۶)

غیر مشروع توسل کے اقسام

مولف موصوف غیر مشروع توسل کے اقسام کا عنوان قائم کر کے ص ۲۱۷ تا ۲۲۰ میں غیر مشروع توسل کی صورتیں لکھتے ہیں اور ان میں بھی سہارا غیر مقلد عالم سہوانی صاحب کی کتاب ''صیانۃ الانسان'' کا لیا ہے۔

غیر مشروع توسل کی پہلی صورت یہ لکھی کہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے یوں دعا کرنا ''اللهم بحق'' فلاں کہ اے اللہ فلاں بزرگ کے حق سے میری حاجت پوری کر یا فلاں بزرگ کی حرمت و جاہ سے میری مصیبت دور کر دے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۱۷)

علامہ سہوانی صاحب نے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا نظریہ اپنایا ہے ورنہ ہمارے جمیع اکابر ''بجاہ فلاں'' اور ''بحرمة فلاں'' کے الفاظ سے دعا کے قائل ہیں۔ جیسا کہ اس کی باحوالہ بحث تسکین الصدور میں مذکور ہے۔ نیز اس میں یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ ابراہیمیہ میں سلاسل اربعہ کے جو شجرے بتائے ہیں ان میں ''الٰهی بحرمت فلاں'' کے صریح الفاظ موجود ہیں۔ (تسکین الصدور ص ۴۱۴)

اشاعت التوحید والوں سے گزارش ہے کہ وہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ سہسوانی صاحب کی موافقت کی بجائے حضرت پیر طریقت کے طریق کو اپنائیں اسی میں ان کے لئے خیر ہے۔ مؤلف موصوف نے غیر مشروع توسل کی دوسری صورت یہ لکھی ہے کہ کسی صالح شخص نبی یا ولی کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس بزرگ کی قبر کے پاس دعا مانگنے سے دعا قبول ہوتی ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۱۷)

اس صورت کو بھی علی الاطلاق غیر مشروع کہنا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسلمان تو خیر القرون سے اب تک آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک پر صلوٰۃ وسلام کے ساتھ وہاں اللہ تعالیٰ سے اس نیت سے دعا کرتے ہیں کہ یہ متبرک اور قبولیت دعا کا مقام ہے۔

مؤلف موصوف نے غیر مشروع توسل کی تیسری صورت یہ لکھی کہ کسی نبی یا ولی یا صالح شخص کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس کو پکارنا اور یوں کہنا ''یا سیدی فلان ادع اللہ'' اے فلاں بزرگ آپ میرے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ (تسکین الصدور ص ۱۸)

اس صورت کو بھی علی الاطلاق غیر مشروع کہنا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر پکارنے سے مراد قبر والے کی عبادت نہیں بلکہ صرف خطاب ہے تو جن حضرات کے نزدیک سماع موتی ثابت ہے۔ ان کے نزدیک استشفاع بھی جائز ہے اور یہی اکابر علماء دیوبند کا نظریہ ہے۔ غیر مشروع توسل کی چوتھی صورت مؤلف موصوف نے لکھی ہے کہ کسی نبی یا صالح شخص کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر پکارنا اور یوں کہنا اے فلاں بزرگ میرے بیمار کو شفاء بخشو اور میری مصیبت دور کرو۔ یہ شرک جلی ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۱۸)

مردہ اور غائب سے مراد مانگنے والے توسل کو تسکین الصدور میں بھی باطل اور مردود قرار دیا گیا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۴۰۶)

غیر مشروع توسل کی پانچویں صورت مؤلف موصوف نے لکھی کہ کسی غائب یا مردہ کو کسی جگہ سے پکارنا اور اس سے حاجت طلب کرنا۔

مؤلف موصوف نے ''صیانۃ الانسان'' کی جو عبارت ذکر کی ہے اس کا مفہوم اپنے لفظوں میں بالکل غلط بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ عربی عبارت ہے۔ ''الحادی عشر ان یدعو اغائباً او میتاً عند غیر القبور'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۱۹) کہ گیارھویں قسم یہ ہے کہ کسی غائب کو یا قبر کے پاس کے علاوہ مردہ کو پکارنا۔

مؤلف موصوف نے ''او میتا عند غیر القبور'' کا مفہوم بیان کیا یا مردہ کو کسی جگہ سے پکارنا۔ یہ تبدیلی مؤلف موصوف نے کسی مصلحت کے تحت کی اس کو ان کے جماعتی احباب بخوبی جانتے ہیں۔ پھر غائبانہ طور پر پکارنا خواہ زندہ کو ہو یا مردہ کو اس کا رد گلدستہ توحید وغیرہ میں تفصیل سے مذکور ہے غیر مشروع توسل کی چھٹی صورت جو مؤلف موصوف نے بیان کی ہے۔ اس میں بھی غائبانہ طور پر پکارنے کا ذکر ہے اور اس کا رد بھی ہمارے بزرگوں نے واضح طور پر کیا ہے۔

اور یہاں بھی مؤلف موصوف نے ''او میتا عند غیر القبر'' کا مفہوم یوں بیان کیا یا مردہ کو مخاطب کر کے یوں کہنا۔ اس میں بھی ''عند غیر القبر'' کو جماعتی مشن کو بربادی سے بچانے کے لئے مؤلف موصوف نے چھپانا ہی بہتر خیال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تعصب سے ہر ایک کو بچائے۔

مؤلف آئینہ تسکین کی جانب سے پیش کردہ مولانا صفدر کی عبارات میں تعارض کا بے بنیاد دعویٰ

دھوکہ نمبر ۱۰۱: {مؤلف موصوف تعارض نمبر ا میں فرماتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے ''تبرید النواظر'' میں ایک روایت کو رد کیا اور ''الشہاب المبین'' میں اسی روایت کی توثیق کی ہے۔}

مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب نے تبرید النواظر اور تفریح الخواطر میں اس روایت کو انتہائی ضعیف قرار دیا جس میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ قیامت تک میری قبر پر کھڑا رہے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے کان دیئے ہیں جو آدمی بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ فرشتہ سن لیتا ہے اور مجھے پہنچا دیتا ہے۔ مگر اسی روایت کو مفتی کفایت اللہ صاحب کے حوالہ سے ''الشہاب المبین'' میں نقل کر کے ان سے اس حدیث کی توثیق محدث ابن حبان سے نقل کی ہے۔ بے شک انہوں نے یہ عبارت مفتی کفایت اللہ صاحب سے نقل کی مگر انہوں نے خود تفریح الخواطر میں لکھا ہے کہ جب کوئی مصنف کسی کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کرتا ہے اور اس کے کسی حصہ سے اختلاف نہیں کرتا تو وہی مصنف کا نظریہ ہوتا ہے۔

لہٰذا اس قاعدہ کے پیش نظر مولانا صاحب ایک کتاب (تبرید النواظر ص ۱۸۵) میں اسی روایت کی دھجیاں اڑا رہے ہیں اور دوسری کتاب (الشہاب المبین ص ۴۵) میں اسی روایت کی توثیق وتصحیح کے در پے ہیں۔

(آئینہ تسکین الصدور ص ۲۲۰ تا ۲۲۵ **ملخصاً**)

یہی اعتراض غیر مقلد عالم جناب ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی اپنی کتاب ''مولانا سرفراز صفدر صاحب اپنی تصانیف کے آئینہ میں'' (ص ۲۱۲ تا ۲۱۵) میں کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اسی آئینہ تسکین الصدور سے ہی اس اعتراض کو اخذ کیا ہو۔ اس کے جواب میں ہم نے مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری صاحب کا ''مجذوبانہ واویلا'' (ص ۲۳۶ تا ۲۳۸) میں دے دیا تھا کہ ''الشہاب المبین'' میں یہ عبارت نقل حکایت کے طور پر ہے جب کہ تبرید النواظر اور تفریح الخواطر میں حضرت رحمہ اللہ کی اس روایت کے بارہ میں حضرات ائمہ محدثین کے فرمودات کی روشنی میں اپنی رائے اور تحقیق ہے۔ تعارض ثابت کرنے کے لئے حیثیت کا ایک ہونا بھی ضروری ہے۔ حالانکہ نقل حکایت کی حیثیت اور ہوتی ہے اور اپنے نظریہ کے اظہار کی حیثیت اور ہوتی ہے۔ ورنہ تو کوئی یوں قرآن کریم میں بھی تعارض کا دعویٰ کرسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ مسحور (سحر زدہ) بھی کہا ہے اور ان کو نبی اور رسول بھی کہا ہے اور دلیل پیش کرے کہ قرآن کریم میں ہے: ''وانی لا ظنک یموسی مسحوراً (بنی اسرائیل)'' اور دوسری جانب سے دلیل دے کہ ''قال یموسی انی اصطفیتک علی الناس برسلتی'' کوئی کم عقل تو ان آیات میں تعارض کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ مگر اہل علم پر مخفی نہیں کہ پہلی آیت نقل حکایت کے طور پر ہے کہ فرعون بدبخت نے اس طرح کہا تھا اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

اسی طرح حضرت مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے الشہاب المبین میں جو فرمایا وہ نقل حکایت کے طور پر ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کے ایک فتویٰ کی آڑ میں ان کا جو نظریہ اشاعت التوحید والے بیان کر رہے ہیں وہ درست نہیں۔ اس لئے کہ ان کی اپنی عبارات سے اس کے خلاف ثابت ہو رہا ہے۔ اسی لئے حضرت رحمہ اللہ نے الشہاب المبین میں عنوان قائم کیا حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کے فتویٰ سے دھوکا دہی، جب نقل حکایت کی حیثیت اور

ہے اور خود اپنی رائے کے اظہار کی حیثیت اور ہے تو تبرید النواظر اور الشہاب المبین کی عبارات میں تعارض قرار دینا تعارض کی تعریف وشرائط سے جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے یا پھر جان بوجھ کر عوام الناس کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

باقی رہا مولف موصوف کا یہ کہنا کہ جب کوئی مصنف کسی کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کرتا ہے اور اس کے کسی حصہ سے اختلاف نہیں کرتا تو وہی مصنف کا نظریہ ہوتا ہے اور حضرت مولانا صفدر صاحب پر اس قانون کی خلاف ورزی کا الزام عائد کرنا تو یہ بھی مولف موصوف کی بے توجہی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ہر کوئی الشہاب المبین میں دیکھ سکتا کہ اس عبارت کا جو مفہوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے وہ یوں ہے۔

اور ان کی نقل اور تحقیق سے (جب کہ دوسرے حضرات کی تحقیق سے دور دراز سے پیش کئے گئے سلام کو صحیح حدیث ''ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' (نسائی جلد اوّل ص ۱۴۳، متدرک جلد دوم ص ۴۲۱ وغیرہ) فرشتے پہنچاتے ہیں) اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کے روات کی توثیق محدث ابن حبان کرتے ہیں اور دیگر احادیث ثابتہ اس کی مؤید ہیں۔ (الشہاب المبین ص ۴۰)

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ بین القوسین عبارت کا اصل عبارت سے اختلاف ہے کہ اصل عبارت میں اس حدیث کو قائل نے اپنی تحقیق ونقل کے مطابق صحیح کہا ہے۔ مگر دوسرے حضرات اس حدیث کو دلیل بنانے کی بجائے دوسری حدیث کو دلیل بناتے ہیں۔ جب مولانا صفدر صاحب نے اس حدیث کو دلیل بنانے کے حصہ سے اختلاف کیا ہے اور بین القوسین اختلافی نوٹ لکھا ہے تو اس کے باوجود یہ کہنا کہ اختلاف کئے بغیر کسی کی بات کو نقل کر کے اس کے مطابق نظریہ ظاہر کیا ہے تو یہ سراسر بے توجہی کا نتیجہ ہے یا پھر عوام الناس کو مغالطہ دینے کی ناکام کوشش ہے اور آئینہ تسکین الصدور کے اسلوب سے اس ثانی شق کی تائید ہوتی ہے۔ اس لئے کہ مولف موصوف نے بین القوسین عبارت کو قوسین میں لکھنے کی بجائے عبارت کے تسلسل کے ساتھ ذکر کیا ہے تاکہ ظاہر ہی نہ ہو کہ یہ عبارت اختلافی نوٹ کی صورت میں ہے۔

اس لئے ہم واضح کرتے ہیں کہ تبرید النواظر اور الشہاب المبین کی عبارات میں نہ تو تعارض ہے اور نہ ہی مولانا صفدر صاحب نے کسی قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ بلکہ یہ سب کارروائی تعارض کی تعریف وشرائط سے ناواقفیت یا بے توجہی یا عوام الناس کو مغالطہ میں مبتلا کرنے کی ناکام کوشش کا نتیجہ ہے۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۰۲</u>: {مولف موصوف فرماتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے ایک جگہ لکھا کہ قیل تمریض کے لئے موضوع نہیں اور دوسری جگہ اس کو تمریض پر محمول کیا ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور تعارض نمبر ۲ کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب (تفریح الخواطر ص ۱۶۵) میں فرماتے ہیں (کہ اسی طرح امام نووی کا جواب تسلی بخش نہیں ہے) ایک تو اس لئے کہ وہ اس کو قیل سے بیان کر کے خود اظہار تمریض کر رہے ہیں اور دوسری جگہ تفریح الخواطر میں فرماتے ہیں کہ جو یہ مشہور ہے کہ قیل اور یقال اور اس کی مانند صیغے جو تمریض کے سمجھے جاتے ہیں وہ نہ تو تمریض کے لئے موضوع ہیں اور نہ یہ کلی طور پر تمریض کا فائدہ دیتے ہیں بلکہ اس کا ضعیف یا تو قائل کے التزام سے معلوم ہوگا اور یا سیاق وسباق اور مقام سے حاصل ہوگا۔ (مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ بلا کسی واضح دلیل کے لفظ قیل کو ضعف پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔

(تفریح الخواطر ص ۱۹۸، آئینہ تسکین الصدور ص ۲۲۵)

یہی اعتراض جناب اثری صاحب نے بھی کیا تھا تو ہم نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ اس اعتراض کا جواب تو خود معترض نے دے دیا ہے کہ مولانا صفدر صاحب نے یہ لکھا ہے کہ صیغے تمریض کے لئے موضوع نہیں ہیں کہ جب بھی بولے جائیں تمریض پر ہی دلالت کریں بلکہ ان سے ضعیف یا تو قائل کے التزام سے معلوم ہوگا یا سیاق وسباق اور مقام سے حاصل ہوگا۔ علامہ نووی کی عبارت کے سیاق وسباق سے قیل کے ضعف کے لئے ہونے کا قرینہ پایا جارہا ہے۔ اس لئے وہاں ضعف کے لئے کہا گیا ہے۔ جب کہ درمختار کی عبارت ''قیل یکفر'' میں قیل کو ضعف کے لئے لینے کا کوئی قرینہ نہیں اس لئے وہاں ضعف کے لئے نہیں لیا جارہا دونوں باتیں قاعدہ کے مطابق ہیں۔

تو ایک مقام میں ان الفاظ کے تمریض کے لئے ہی ہونے کی نفی ہے جب کہ دوسرے مقام میں ان کا بعض اوقات تمریض کے لئے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جیسے کوئی آدمی کسی وقت کہے کہ خالد زید ہی کا باپ نہیں اور دوسرے وقت میں کہے کہ خالد زید کا باپ ہے۔ اب کوئی عقلمند آدمی ان دونوں باتوں میں تعارض کا قائل نہیں ہوسکتا۔ صرف وہی ان کا متعارض کہے گا جو تعارض کی تعریف وشرائط سے ناواقف ہو یا تعصب کا شکار ہوکر عوام الناس کو مغالطہ دینے کے لئے اس کو تعارض کا نام دے۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۰۳</u>: {مولف موصوف فرماتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے ایک جگہ لکھا کہ راکھ شدہ بدن سے روح کا تعلق منقطع ہوجاتا ہے اور دوسری جگہ لکھا کہ جلائے گئے جسم کے ساتھ بھی روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔}

مولف (آئینہ تسکین الصدور تعارض نمبر ۳) کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ ایک جگہ مولانا صفدر صاحب نے لکھا کہ راکھ شدہ بدن میت کا تعلق روح سے منقطع ہوجاتا ہے۔ چنانچہ (الشہاب المبین ص ۱۲۱) میں لکھا نیز آگ میں جلانے سے بدن کے اجزاء متفرق ہوجاتے ہیں اور اس وجہ سے روح کا تعلق بدن سے کلی طور پر منقطع ہوجاتا ہے اور اس کے برعکس (تسکین الصدور ص ۹۷) میں لکھا اس سابق بیان سے معلوم ہوا کہ جو میت جلا کر راکھ کر دی گئی ہو یا اس کو درندے کھا چکے ہوں تو اس کو سزا دی جاتی ہے۔ وہ صرف روح اور بدن مثالی ہی سے متعلق نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ اس کے بدن عنصری کا تعلق بھی ہوتا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۲۵، ۲۲۶)

تعارض کی تعریف وشرائط سے واقف کبھی اس کو تعارض سے تعبیر نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ الشہاب المبین میں عبارت حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کی ہے اور حضرت رحمہ اللہ نے اس کو نقل کیا ہے اور تسکین الصدور میں کئی حضرات کی عبارات پیش کرنے کے بعد ان کا خلاصہ حضرت رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

اگر حضرت رحمہ اللہ نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب عبارت کے مفہوم کا خلاصہ تسکین الصدور میں بیان کردہ عبارات کے مفہوم کے خلاف بیان کیا ہوتا تو تعارض کا نام دیا جاسکتا تھا۔ حالانکہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کی مختلف عبارات کا آخر میں جو خلاصہ بیان کیا گیا ہے وہ تسکین الصدور میں بیان کردہ مفہوم کے مطابق ہے۔ اگر مولف موصوف نے توجہ نہیں فرمائی تو ہم توجہ دلا دیتے ہیں کہ الشہاب المبین میں حضرت رحمہ اللہ نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کی مختلف عبارات کا خلاصہ یوں بیان فرمایا ہے۔ جہاں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب روح کے بدن سے تعلق کی اصلاً نفی کرتے ہیں۔ اس سے یہی بدن کی تدبیر تغذیہ اور تنمیہ والا تعلق ہے۔ باقی ادراک وشعور والی تعلق کی نفی کو وہ کم از کم الحاد کہتے ہیں۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے۔ (الشہاب المبین طبع اوّل ص ۱۲۵، طبع دوم ص ۱۱۲)

جب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارات کے خلاصے کا مفہوم اور تسکین الصدور میں ذکر کردہ کئی حضرات کی عبارات کے خلاصے کا مفہوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہی جیسا بیان فرمایا ہے تو اس کو تعارض کا نام دینا سراسر مغالطہ یا تعارض کی تعریف وشرائط سے ناواقف کی دلیل ہے۔

دھوکہ نمبر ۱۰۴: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کی گلدستہ توحید اور تسکین الصدور کی عبارات میں تعارض ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور تعارض نمبر ۴ کا عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں کہ (تسکین الصدور ص ۳۹۵) میں ہے کہ مسلمان کے ذہن میں ان کفریہ امور میں سے کوئی امر بھی نہیں ہوتا اور اس کے برخلاف گلدستہ توحید میں ہے۔ مگر صد افسوس کہ آج کلمہ گو مسلمانوں نے شرک کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

پھر مؤلف موصوف وضاحت کا عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں۔ مولانا صاحب ایک طرف تو یہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے ذہن میں ان کفریہ امور غیر اللہ کو حاضر و ناظر عالم الغیب اور متصرف فی الامور میں سے کوئی ایک امر بھی نہیں ہوتا اور دوسری طرف فرماتے ہیں کہ صد افسوس کہ آج کلمہ گو مسلمانوں نے شرک کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۲۶، ۲۲۷ ملخصاً)

مؤلف موصوف مسلمان اور کلمہ گو مسلمان کو ایک مان کر اعتراض کر رہے ہیں۔ حالانکہ عام محاورہ میں شرک و بدعت کے مرتکب بظاہر مسلمان پر کلمہ گو مسلمان کا اطلاق کیا جاتا ہے اور جو غیر اللہ کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب اور متصرف فی الامور مانتا ہے وہ بظاہر مسلمان ہی ہوگا۔ حقیقت میں مسلمان نہیں ہوسکتا اور یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ کلمہ گو مسلمان سے یہاں بظاہر مسلمان ہے۔ حقیقی مسلمان مراد نہیں اسی لئے دوسرے مقام میں تعبیر یوں کی گئی ہے کہ حضرات آج بعض کلمہ گو مدعیان اسلام کا بھی یہی شرک ہے۔ ایک رتی فرق نہیں۔ (گلدستہ توحید ص ۱۲۷)

یہاں شرک کا ارتکاب کرنے والوں کو کلمہ گو مدعیان اسلام کہا گیا ہے اس لحاظ سے کلمہ گو مسلمان اور کلمہ گو مدعیان اسلام سے مراد وہ ہے جو بظاہر مسلمان ہو۔

ان عبارات میں پہلی عبارت میں حقیقی مسلمان اور دوسری عبارت میں بظاہر مسلمان مراد ہے۔ اس لئے ان میں تعارض تو کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی اعتراض ہوسکتا ہے۔ مگر تعصب کا کوئی علاج نہیں ہوسکتا۔

دھوکہ نمبر ۱۰۵: {مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کی دل کا سرور اور تسکین الصدور کی عبارات میں تعارض ہے۔}

مؤلف موصوف لکھتے ہیں۔ اختلافی مسائل میں مولانا سرفراز صاحب کا پتہ لگانا کہ وہ کس طرف ہیں۔ بہت مشکل ہے۔ کیونکہ وہ اپنے ایک قانون کے تحت فرماتے ہیں۔

سوم جب کوئی مصنف کسی کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کرتا ہے اور اس کے کسی حصہ سے اختلاف نہیں کرتا تو وہی مصنف کا نظریہ ہوتا ہے۔ (تفریح الخواطر ص ۲۹)

اب اس کی نظیر ملاحظہ فرمائیں اور مولانا صاحب کی دیانت و ذہانت کی داد دیں۔ پھر مؤلف موصوف تعارض نمبر ۵ کا عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں کہ (دل کا سرور ص ۵۸) میں لکھا ہے کہ مردہ اور صاحب قبر سے دعا کرانے کے بارے میں خاصا اختلاف ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تو لکھتے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ زندہ بزرگ سے

دعا کرانا ثابت ہے۔ لیکن مردہ سے اگر چہ وہ نبی اور ولی ہی کیوں نہ ہو دعاء مانگنے کا ثبوت شریعت محمدیہ میں قطعاً نہیں، نہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے اس کا ثبوت ہے اور نہ اتباع تابعین اور ائمہ دین سے اور نہ ہی اس کے ثبوت میں کوئی صحیح حدیث ہی موجود ہے اور اس کے بعد لکھا مگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے۔ اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد اول ص ۹۹ بحوالہ دل کا سرور ص ۵۸)

مولانا صاحب نے دونوں حضرات کی عبارات نقل کر کے اس مقام پر کسی ایک سے بھی اختلاف نہیں کیا تو کیا مولانا صاحب کے نظریہ کا پتہ چل سکتا ہے کہ آپ کس نظریہ کے مالک ہیں؟ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۲۷، ۲۲۸)

مؤلف موصوف کا یہ کہنا کہ مولانا سرفراز صفدر صاحب کا اختلافی مسائل میں پتہ لگانا مشکل ہے کہ وہ کس طرف ہیں۔ یہ انتہائی تعصب کا آئینہ دار ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا صفدر صاحب کے ٹھوس نظریہ اور مبنی برحقائق قلمی شاہکار ہی کی وجہ سے علمی آسمانوں نے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ جیسے اہم مسائل میں ان کو اپنا نمائندہ بنایا تھا اور ان کے بادلائل ٹھوس حوالہ جات کے منظر عام پر آنے سے اہل بدعت اور غیر مقلدین کی ہی نہیں بلکہ گجراتی، سرگودھوی، ملتانی اور پنج پیری نظریات کے حامل اشاعت التوحید والوں کی نیندیں بھی حرام ہو چکی ہیں۔

مؤلف موصوف کا یہ کہنا کہ علامہ ابن تیمیہ اور حضرت گنگوہی کی عبارتیں پیش کر کے کسی سے اختلاف نہیں کیا تو یہ ان کی اردو ادب سے بالکل ناواقفیت کی بین دلیل ہے۔

اگر وہ ضلع جھنگ کے سرائیکی علاقہ کے ہونے کی وجہ سے اردو ادب کی باریکیوں سے ناواقف تھے تو ''فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون'' کا قرآنی حکم پورا کرتے ہوئے ان کا حق تھا کہ وہ اعتراض کرنے سے پہلے کسی اردو ادب کے ماہر سے پوچھ لیتے کہ اردو زبان میں لفظ مگر کا استعمال کن مقاصد کے لئے ہوتا ہے وہ یقیناً ان کو بتا دیتا کہ اردو ادب میں لفظ مگر ''لکن استدراکیہ'' کی طرح استعمال ہوتا ہے جو ایسے دو جملوں کے درمیان آتا ہے جن کے مفہوم مختلف ہوتے ہیں اور یہ پہلے جملہ کے مفہوم سے اختلاف اور دوسرے جملہ کے مفہوم کے اثبات کے لئے آتا ہے۔ جب حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن تیمیہ اور حضرت گنگوہی کی عبارتوں کے درمیان اپنی طرف سے لفظ مگر کو لایا ہے تو اس ایک لفظ ہی سے انہوں نے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے مفہوم سے اختلاف اور حضرت گنگوہی کی عبارت کے مفہوم کا اثبات کیا ہے۔ مگر اس بات کو مؤلف موصوف سمجھ نہیں سکے اور اعتراض کر دیا کہ دونوں عبارتوں میں سے کسی سے اختلاف نہیں کیا اور اپنی جہالت کا نزلہ دوسرے پر گرانے کی ناکام کوشش کی۔

دھوکہ نمبر ۱۰۶: { مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کی اخفاء الذکر اور تسکین الصدور کی عبارات میں تعارض ہے۔ }

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ اس بارے میں دوسری نظیر۔ تعارض نمبر ۶ (تسکین الصدور ص ۳۳۵) میں ایک تو یہ لکھا علامہ ابن عبدالہادی اسی پر خاصی بحث کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر شریف کے قریب سے تو آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ لیکن قبر مبارک سے دور باقی مسجد نبوی میں جو سلام پڑھا جاتا ہے وہ آپ خود نہیں سنتے۔ وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی نماز میں یا مسجد میں داخل یا اس سے خارج وقت پڑھے اور اخفاء الذکر ص ۴۱)

میں لکھا ہے مگر یہ صحیح روایت تو صاف بتاتی ہے کہ آپ فرش پر پاس بیٹھے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کی آواز کو بھی نہ سنتے ۔ تاوقتیکہ آپ دریافت نہ فرمالیتے کہ عمر تم نے کیا کہا؟ مگر کیا کیا جائے کہ مبتدعین کا باوا آدم ہے نرالا ہے۔

اور ایک طرف یہ لکھا کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں ۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں ۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۲۸، ۲۲۹)

یہی اعتراض غیر مقلد عالم جناب ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ کیا تھا اور ہم نے اس کا جواب ’’مجذوبانہ واویلا‘‘ اور ’’تصویر بڑی صاف ہے‘‘ میں تفصیل کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق دیا تھا ۔ اسی جواب کا خلاصہ مولف موصوف کے اس اعتراض کے جواب میں ذکر کیا جاتا ہے۔

مولف موصوف کے ان تین عبارات کے پیش کرنے کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے دو طرح سے تعارض پیش کیا ہے ۔ ایک تو یہ علامہ ابن عبدالہادی کے حوالہ سے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک کے پاس پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں ۔ مسجد نبوی کے باقی حصہ سے نہیں سنتے اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے حوالہ سے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے ہر حصے میں پڑھے گئے صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں ۔ اس لئے دونوں عبارتوں میں تعارض ہے اور مولانا صفدر صاحب نے کسی ایک عبارت سے اختلاف نہیں کیا اس لئے ان کا نظریہ متعارض ہوا۔

مگر مولف موصوف کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ جب متعارض عبارات میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے ترجیح دے دی جاتی ہے تو دوسری کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ متعارض اقوال میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرنے اور ترجیح دینے سے باقی اقوال کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے ۔ اس کے لئے ’’شرح عقود رسم المفتی ‘‘ کا مطالعہ کیا جائے ۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن عبدالہادی اور حضرت سہارنپوری کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں ۔ مگر آخر میں ان کا نتیجہ یوں بیان کیا ہے ۔ ان تمام اقتباسات سے یہ امر روشن ہو گیا کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھے تو اس کو آپ خود بنفس نفیس سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں ۔ (تسکین الصدور ص ۳۴۶)

اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت سہارنپوری کے قول کو یہاں نہیں لیا گیا بلکہ دیگر حضرات کے قول کو ترجیح دی گئی ہے ۔ جب ایک قول کو اختیار کر کے اس کو ترجیح دی گئی ہے تو اب یہ کہنا کہ کسی عبارت سے اختلاف نہیں ۔ کیا یہ بالکل غلط ہے۔

اس لئے مولف موصوف خود مغالطہ کا شکار ہو کر تعارض کا بے جا الزام عائد کر رہے ہیں ۔ مولف موصوف کی عبارت سے دوسری بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ یوں تعارض ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تسکین الصدور کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں سن لیتے ہیں ۔ جب کہ اخفاء الذکر میں لکھا ہے کہ قریب بیٹھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سن سکتے تھے ۔ یہاں تک کہ ان کو پوچھنا پڑتا کہ عمر تم نے کیا کہا ہے۔

یہی اعتراض جناب ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی کیا تھا تو ہم نے اس کے جواب میں لکھا کہ قبر اطہر پر سلام کو زندگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پست آواز سے کلام نہ سننے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے ۔ اس لئے کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک قبر کی حیات اگرچہ اسی جسم کے ساتھ ہوتی ہے جو دنیا میں تھا، مگر اس حیات میں روح غالب اور جسم تابع ہوتا ہے ۔ اس لئے یہ دنیا کی حیات سے اعلیٰ وارفع ہے اور عام مردوں کے بارہ میں راحت قبر وعذاب قبر کی صحیح روایات

کے مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ قبر کی حیات میں سمع و بصر کی قوتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اسی لئے تو قبر میں رکھے ہوئے جنت یا دوزخ میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ لیتے ہیں جو ان کو دکھایا جاتا ہے۔ فرشتوں کو دیکھ لیتے ہیں اور مجرم اتنے زور سے چیخیں مارتے ہیں کہ جن وانس کے علاوہ باقی جو مخلوق قبر کے آس پاس ہوتی ہے وہ اس کو سنتی ہے۔ حالانکہ اگر قبر میں زندہ آدمی کو دبا دیا جائے تو اس کی آواز باہر نہیں آتی۔ اسی طرح منوں مٹی میں دبے ہوئے ہونے کے باوجود قبر کے پاس چلنے والوں کے جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ مردہ سن لیتا ہے۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ کی صحیح روایات اس بارہ میں موجود ہیں۔

جب عام مردوں کے بارہ میں صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے تو شہداء کی حیات ان سے اعلیٰ اور انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء سے بھی اعلیٰ اور آنحضرت ﷺ کی حیات ان سب سے اعلیٰ وافضل ہے تو قبر اطہر پر پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام کو دنیا کی زندگی کی حالت میں پست آواز سننے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اس کو تعارض سے تعبیر کرنا نری جہالت ہے۔

مؤلف موصوف کی دیانت

مؤلف موصوف نے بے جا طعن کرتے ہوئے لکھا کہ مولانا صاحب کی دیانت و ذہانت کی داد دیں۔
(آئینہ تسکین الصدور ص ۲۲۷)

ہماری گزارش ہے کہ بفضلہ تعالیٰ تعصب سے بالا کوئی آدمی بھی مولانا صفدر صاحب کی ذہانت و دیانت کو چیلنج نہیں کر سکتا۔ اس لئے مولانا صفدر صاحب کی دیانت کی داد دینے کی بجائے مؤلف موصوف کو اپنی دیانت کی فکر کرنی چاہئے۔ جنہوں نے ''صیانۃ الانسان'' کی عربی عبارتیں پیش کرنے کے باوجود ''عند غیر القبر'' کا مفہوم جان بوجھ کر چھوڑا اور پھر اخفاء الذکر کی عبارت سے بھی عبارت چھوڑ دی اور عبارت یوں نقل کی کہ آپ فرش پر پاس بیٹھے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کی آواز کو بھی نہ سنتے۔ (آئین تسکین الصدور ص ۲۲۹)

حالانکہ اصل عبارت یوں ہے کہ'' آپ فرش پر پاس بیٹھے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کی آہستہ آواز کو بھی نہ سنتے۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۲۹)

حالانکہ اصل عبارت یوں ہے کہ آپ فرش پر پاس بیٹھے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کی آہستہ آواز کو بھی نہیں سنتے تھے۔ (اخفاء الذکر ص ۴۱)

عبارت سے آہستہ کے الفاظ کو کسی مصلحت کی خاطر چھوڑا گیا جن لوگوں کی اپنی حالت یہ ہو ان کو مولانا صفدر صاحب کی دیانت کی داد ضرور دینی چاہئے۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۰۷</u>: {مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ آیت کا ترجمہ علامہ نیلوی صاحب نے کیا تو مولانا صفدر صاحب نے اس کو تحریف کہا۔ حالانکہ خود انہوں نے بھی وہی ترجمہ کیا ہے۔}

مؤلف موصوف لکھتے ہیں تعارض نمبر ۷ مولانا صاحب کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام اور قبور اکابر کے پاس شفاعت کی درخواست کے عقیدہ کو ''ھو لاء شفعاء نا عند اللہ'' کا مصداق قرار دینا خالص تفسیر بھی ہے اور یہ سفارش مافوق الاسباب میں بھی داخل ہے اور اس مافوق الاسباب (یعنی غائب اور مردہ سے) کو اللہ تعالیٰ نے بھی شرک کہا ہے اور دوسری طرف اسی عقیدہ کو ''ھو لاء شفعاء نا عند اللہ'' کا مصداق قرار دینا خالص تحریف بھی ہے۔ پھر آگے انہوں نے کئی صفحات پر تقریباً وہی عبارات پیش کیں جو وہ صفحہ ۱۹۳ تا ۱۹۸ میں پیش کر چکے ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۲۹ تا ۲۳۳)

ایسی بحث مولف موصوف نے پہلے بھی کی ہے جس کا جواب ہم میں دے چکے ہیں کہ مولف موصوف سے اپنی دیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بین القوسین عبارت میں اور مردہ سے کا اضافہ کر کے اس کا خود ساختہ مفہوم نکالا ہے۔

پھر مولف موصوف کی دیدہ دلیری دیکھیں کہ اور مردہ سے کے الفاظ کا اضافہ اپنے پاس سے کیا۔ حالانکہ پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان آیات کی تفسیر میں صرف غائبانہ کا اضافہ فرمایا ہے اور ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ یہاں تک ''الحمد شریف'' سے لے کر ہر سورت کا حاصل یہ ہوا کہ غیر اللہ کو غائبانہ مت پکارو کارساز غیب دان سوائے اس کے کوئی نہیں۔ (تفسیر بے نظیر ص ۱۲۴)

غائبانہ زندہ کو پکارا جائے یا مردہ کو پکارا جائے یہ مافوق الاسباب ہے۔

اور زندہ کو یا مردہ کو عبادت کے انداز میں پکارا جائے تو یہ شرک ہے۔ زندہ یا مردہ سے ایسے انداز سے مدد چاہی جائے جن کا مختار صرف اللہ تعالیٰ ہے تو یہ مافوق الاسباب ہے اور اگر زندہ کے پاس حاضر ہو کر یا مردہ کی قبر پر جا کر دعا کی درخواست کی جائے تو مولانا صفدر صاحب نے اس کو کسی بھی جگہ مافوق الاسباب نہیں کہا۔

مولف موصوف کا اپنے پاس سے الفاظ کا اضافہ کر کے مفہوم نکالنا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جانب اس کو منسوب کرنا خالص دھوکا ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ صراحت سے مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مفتی صاحب دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ مافوق الاسباب طریق پر غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے۔ عام اس سے کہ وہ مردہ ہو یا زندہ ہو مگر دور ہو۔ (باب جنت ص ۲۲۱)

یہ عبارت مولف موصوف کے پیش نظر بھی ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کے خلاف مفہوم کے لئے اضافہ کیا۔ اس لئے کہ مولوی صاحب موصوف نے اس سے اگلی عبارت پھر عند القبر اموات کے سماع اور عدم سماع میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے کا حوالہ آئینہ تسکین الصدور ص ۲۳۶ میں دیا ہے۔

مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھلا اس کو کیسے مافوق الاسباب اور شرک قرار دے سکتے ہیں۔ جب کہ امت کی معتمد بہ جماعت کا اس پر تعامل اور حضرات فقہاء کرام سے اس کے جواز کی صریح عبارات موجود ہیں۔ اس لئے علامہ نیلوی کا قبر کے پاس دعا کی درخواست کو ''هؤلاء شفعاءنا عند الله'' کا مصداق بنانا خالص تحریف ہے اور مولانا صفدر صاحب کا قبور پر عبادت یا عبادت کے انداز میں تعظیم کرنے والوں کو اس کا مصداق بنانا خالص تفسیر ہے اور دونوں باتوں میں نمایاں فرق ہے۔ اس کو تعارض سے تعبیر کرنا تعارض کی تعریف و شرائط سے لاعلمی کی دلیل ہے۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۰۸</u>: {مولف موصوف فرماتے ہیں کہ تسکین الصدور کی دو عبارتوں میں تعارض ہے۔}

مولوی شیر محمد صاحب لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۸ (تسکین الصدور ص ۱۴۷) میں تحریر فرمایا جب تک مادی اور عنصری بدن قائم ہے، روح کا تعلق اس سے وابستہ رہتا ہے۔ لیکن صرف نفسانی اور حیوانی درجہ نہ کہ بناتی حیثیت سے اور جب یہ بدن قائم نہ رہے تو پھر یہ تعلق بدن مثالی کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے۔ اب اس کے بعد دوسرا صفحہ الٹیں یعنی ص ۱۴۸ اب دیکھو۔ اس کے برخلاف لکھا قبر کی راحت وعذاب کے سلسلہ میں روح کا بدن مادی اور عنصری سے باقاعدہ تعلق اور اتصال اور ربط ہوتا ہے۔ اگر چہ اس کے اجزاء ریزہ ریزہ اور ذرہ ذرہ ہو کر بکھر جائیں۔ (تسکین الصدور ص ۱۴، آئینہ تسکین الصدور ص ۲۳۴)

مولف موصوف نے تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے عبارت کے ابہام سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ ورنہ تسکین الصدور میں کی گئی بحث میں واضح ہے کہ پہلی عبارت میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت کا مفہوم واضح کیا گیا

ہے اور اس نظریہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی عبارت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور غالباً یہ ان اقوام کے بارے میں ہوسکتا ہے۔ جن کو درندے وغیرہ کھالیں یا جن کو جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ (گو اس راکھ کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے انسان بنا کر اس کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر سکتا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں تصریح ہے اور اس کتاب کے ص ۱۰۴ میں مذکور ہے) (تسکین الصدور ص ۱۵۴)

جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بین القوسین عبارت میں اس نظریہ سے اختلاف کیا ہے تو اس کے باوجود اس کو حضرت کا نظریہ قرار دے کر دوسری عبارت سے اس کا تعارض بتانا متعصب کے علاوہ کسی اور کے شایان شان نہیں ہوسکتا۔ پھر دوسری عبارت میں ابہام تھا مگر بعد کے ایڈیشن میں اس ابہام کو دور کر کے عبارت واضح کر دی گئی اور عبارت یوں ہے۔

قارئین کرام! آپ اس مفصل اور مدلل باحوالہ بحث سے بخوبی معلوم کر چکے ہیں کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت اور اسی طرح قبر کی راحت وعذاب کے سلسلہ میں جمہور فقہاء اور متکلمین کے نزدیک روح کا بدن مادی اور عنصری سے باقاعدہ تعلق اتصال اور ربط ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے اجزاء ریزہ ریزہ اور ذرہ ذرہ ہوکر بکھر جائیں۔ (تسکین الصدور ص ۱۵۶)

جب ایک عبارت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی ہے جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اختلافی نوٹ لکھا ہے اور دوسری عبارت جمہور فقہاء اور متکلمین کی عبارات کا خلاصہ ہے جس کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تائید کی ہے تو ان میں تعارض کیسا؟ اس کو وہی تعارض سے تعبیر کرے گا جو تعارض کی تعریف وشرائط سے بالکل جاہل ہو یا جان بوجھ کر دھوکہ دینے پر کمر بستہ ہو۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۰۹</u>: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ سماع الموتیٰ کی دو عبارتوں میں تعارض ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور اور تعارض نمبر ۹ کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ سماع الموتیٰ ص ۵۵ میں مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ نفی سماع موتیٰ کی ایک بھی آیت یا صحیح وصریح حدیث موجود نہیں ہے۔ اب ص ۱۷۹ نکال کر ملاحظہ فرمائیں اس میں مولانا صاحب نے لکھا کہ قرآن کریم میں ''انک لا تسمع الموتی'' اور ''و لا تسمع من فی القبور'' کے ظاہری الفاظ سے معاملہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے بظاہر سماع موتیٰ کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

پھر آگے مؤلف موصوف لکھتے ہیں۔ راقم الحروف شیر محمد کہتا ہے کہ مسئلہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں متفق علیہ ہے۔ نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کو ظاہر پر حمل کرنا ضروری ہے اور ظاہر سے ہٹانا معتزلہ کا مسلک ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۳۴، ۲۳۵)

مؤلف موصوف نے پہلی جو عبارت سماع الموتیٰ ص ۵۵ کی پیش کی ہے، اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مؤلف ندائے حق کو جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ سماع موتیٰ کا اثبات صحیح اور صریح روایات سے ثابت ہے جس پر جمہور اور بقول آپ کے زنبور۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) کا عمل ہے اور نفی سماع موتیٰ کی ایک بھی آیت یا صحیح وصریح حدیث موجود نہیں۔

اگر مؤلف موصوف اور ان کے رفقاء میں ہمت تھی تو کوئی صریح اور صحیح روایت پیش کرتے یا کوئی آیت پیش کرتے جس میں صراحت ہو کہ مردے نہیں سنتے۔ مگر اس جانب سے توجہ ہٹانے کے لئے اس عبارت کا دوسری عبارت سے تعارض کا الزام عائد کر دیا۔ حالانکہ ان میں قطعاً تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ دوسری عبارت حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری کی ہے کہ ''انک لا تسمع الموتی'' اور ''ما انت بمسمع من فی القبور'' کے ظاہری الفاظ سے معاملہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے بظاہر سماع موتیٰ کی نفی ہوتی ہے۔

اور حضرت انور شاہ صاحب کشمیری کی اسی عبارت کی ان کی ہی عبارت سے آگے وضاحت موجود ہے جو فیض الباری کے حوالہ سے نقل کر کے اس کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے۔ اس عبارت میں بھی حضرت شاہ صاحب نے

سماع موتی کی تصریح فرمائی ہے اور منکرین سماع موتی سے آیت مذکورہ پر وارد اعتراض کا مخلص طلب فرمایا ہے اور پھر علمی طور پر دلسوزی اور ہمدردی کے ساتھ نصیحت فرمائی ہے کہ نصوص کے صحیح معانی اور تفاسیر کو چھوڑ کر ان کے ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ (سماع الموتی ص ۱۸۷، ۱۸۸)

جب حضرت شاہ صاحب کشمیری نے خود اپنی عبارت کی وضاحت فرمادی ہے کہ بے شک ان آیات کے بظاہر الفاظ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے مگر ان کا ظاہر معنی مراد نہیں بلکہ ان نصوص کے صحیح معانی اور تفاسیر اور ہیں۔ اس عبارت کا مفہوم واضح ہے کہ یہ آیات نفی سماع موتی میں صریح نہیں ہیں۔

تو یہ عبارت حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علامہ نیلوی کو دیئے گئے جواب کے مطابق ہے۔ اس کے مخالف نہیں ہے کہ اس کو تعارض پیش کیا جائے۔ پھر مؤلف موصوف نے آگے جو یہ لکھا کہ نصوص قرآنیہ کو ظاہر پر رکھنا اہل سنت والجماعت کا اور ظاہر سے ہٹانا معتزلہ کا مسلک ہے تو یہ مؤلف موصوف کی جانب سے چھوٹا منہ اور بڑی بات والا معاملہ ہے کہ وہ اس سے حضرت انور شاہ صاحب کشمیری پر چوٹ کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہ بات مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کی عبارت کا ترجمہ بتایا ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کے مسلک کو اور جو عبارات شرح عقائد جلالی اور نظم الفرائد وغیرہ کی مؤلف موصوف نے نقل کی ہیں۔ ان کو علامہ انور شاہ صاحب کشمیری مؤلف موصوف اور ان کے رفقاء کی بہ نسبت زیادہ جانتے تھے اور اہل السنت والجماعت کے مسلک کی ترجمانی کا جذبہ بھی ان میں ان حضرات سے ہزار ہا درجہ زیادہ تھا۔

اور اس بحث میں مؤلف موصوف نے سماع الموتی میں ایک آیت کے بارہ میں کتابت کی غلطی کی جانب توجہ دلائی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز! آئندہ طباعت میں اس کی اصلاح کر لی جائے گی اور ہم نے بھی نشاندہی کی ہے کہ انہوں نے بھی آیت درست نقل نہیں کی۔ لہٰذا وہ بھی درست کر لیں۔

دھوکہ نمبر ۱۱۰: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ تسکین الصدور کی دو عبارتوں میں تعارض ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۱۰ (تسکین الصدور ص ۱۵۴) میں لکھا ہے۔ فرشتوں کو جواب دینا ایک فعل اختیاری ہے اور بدون روح کے اس کا تصور نہیں ہو سکتا۔ آگے شرح فقہ اکبر کی عبارت ہے۔ پھر اس سے آگے ۱۷۹ پر اس کے خلاف لکھا چنانچہ فرمایا۔ زندہ سے مراد اس مقام میں وہ زندہ نہیں جس میں روح داخل ہو اور اس سے اختیاری طور پر افعال سرزد ہوں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۳۵، ۲۳۶)

مؤلف موصوف نے اپنی دیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا کہ آگے شرح فقہ اکبر کی عبارت ہے۔ حالانکہ جو حصہ پہلے مذکور ہے وہ بھی شرح فقہ اکبر ہی کی عبارت ہے۔ مؤلف موصوف نے عبارت کا یہ انداز کیوں بدلا۔ اس کی وضاحت وہ خود یا ان کے جانشین ہی کر سکتے ہیں۔

پھر مؤلف موصوف نے دونوں عبارتوں کے مفہوم پر غور کئے بغیر اعتراض کر دیا۔ حالانکہ دونوں عبارتوں کا مفہوم ایک ہی جیسا ہے۔ پہلی عبارت سے واضح ہے کہ جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ قبر میں مردہ فرشتوں کے سوالات کے جواب دیتا ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ قبر میں جسم بلا روح جماد کی طرح نہیں ہے۔ اس لئے کہ جماد سے افعال اختیار یہ صادر نہیں ہوتے اور سوال کا جواب دینا فعل اختیاری ہے۔ اس لئے قبر میں جسم جماد نہیں ہے اور دوسری عبارت جو علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی ہے اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ قبر میں جسم جماد نہیں۔

جب دونوں عبارتوں کا مفہوم ایک ہی جیسا ہے تو تعارض کیسا؟

باقی رہا یہ اعتراض کہ پہلی عبارت میں سوال کے جواب کو فعل اختیاری ماننے کے باوجود مردہ کے لئے اس کا ثبوت ہے اور دوسری عبارت میں افعال اختیاریہ کی مردہ سے نفی کی گئی ہے تو یہ بھی مؤلف موصوف کی بے توجہی کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی عبارت میں ''الافعال الاختیاریہ'' کہا گیا ہے اور جمع پر الف لام داخل کیا گیا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ تمام افعال اختیاریہ اس سے سرزد نہیں ہوسکتے۔ یہی وجہ ہے الافعال الاختاریہ کی تعبیریوں کی گئی ہے۔ یعنی حیات فی القبر۔ کے لئے افعال اختیاریہ کا سرزد ہونا ضروری نہیں۔ جیسا کہ اس جہان کی زندگی میں وہ اس سے صادر ہوتے تھے۔ (تسکین الصدور ص ۱۸۸)

جب دونوں عبارتوں کا مفہوم بھی ایک جیسا ہے اور ایک جگہ فعل اختیاری کا جزوی طور پر ثبوت اور دوسری جگہ افعال اختیاریہ کا اس جہان کی زندگی جیسا ہونے کے نفی تو تعارض کیسا؟ اس کو تعارض سے وہی تعبیر کرے گا جو تعارض کی تعریف وشرائط سے ناواقف ہو یا جان بوجھ کر دھوکہ دینا چاہتا ہو۔

دھوکہ نمبر ۱۱۱: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ سماع الموتٰی کی دو عبارتوں میں تعارض ہے۔}

مولوی شیر محمد صاحب لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۱۱ (سماع الموتٰی ص ۶۱) میں مولانا تحریر فرماتے ہیں۔ سماع موتٰی کے مسئلہ میں اماموں میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں جنہوں نے اس کے خلاف کہا ان کی بات غلط ہے۔ اب آگے صفحہ ۸۱ کا لیں وہاں لکھا اور جو حضرات سماع موتٰی کا انکار کرتے ہیں ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں۔ ''انک لا تسمع الموتی'' تو مولانا محترم کے نزدیک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات غلط ہے اور نہ یہ امام ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۳۶)

یہاں بھی مؤلف موصوف نے تعارض کی تعریف وشرائط کو نظرانداز کرتے ہوئے تعارض کا دعویٰ کیا ہے۔ ورنہ درحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں جو اقوال مثبت ومنفی ہر پہلو کے لحاظ سے حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر تھے، ان کو نقل کیا ہے اور مختلف علماء کی اس بارہ میں مختلف آراء کا ذکر کیا ہے۔

مؤلف موصوف نے جو پہلی عبارت پیش کی ہے وہ حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور دوسری عبارت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ ہر ایک نے اپنی تحقیق کے مطابق لکھا ہے۔ جب دونوں عبارتوں کے قائلین مختلف ہیں تو تعارض کیسا؟

باقی رہی یہ بات کہ مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں عبارتوں کو ذکر کیا ہے تو جب ان میں سے ایک قول کو اختیار کرکے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح دے دی ہے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ بھی اس بارہ میں متعارض نہیں کہا جاسکتا۔

اگر تعصب کی پٹی آنکھوں سے ہٹا کر کوئی دیکھے تو اس کو سماع الموتٰی کے اندرونی ٹائٹل صفحہ میں ہی یہ عبارت واضح نظر آئے گی اور یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام اور خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سماع الموتٰی کے منکر نہیں بلکہ مقر ہیں اور ان کی طرف عدم سماع الموتٰی کی جو روایتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ سب شاذ اور غیر معتبر ہیں۔

اس عبارت میں کوئی ابہام اور اخفاء نہیں بلکہ اس بات کی وضاحت ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب عدم سماع الموتٰی کی روایات شاذ ہیں اور اسی نظریہ کو حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

نے اجاگر کیا ہے۔اس سے واضح ہو گیا کہ انہوں نے حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں پائے جانے والے مفہوم کو ترجیح دی ہے۔اتنی واضح صورتحال کے باوجود تعارض سے تعبیر کرنا صرف متعصب ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

پھر مؤلف موصوف کا یہ کہنا کہ مولانا محترم کے نزدیک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات غلط ہے تو یہ کہنا بھی باطل ہے۔اس لئے کہ یہ عبارت حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے تو دیانت کا تقاضہ یہ تھا کہ جو نتیجہ مؤلف موصوف نے اپنی سوچ کے مطابق نکالا ہے۔اس کی نسبت حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرتے۔

پھر مؤلف موصوف نے نتیجہ بھی غلط نکالا اس لئے کہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے کسی بھی امام کی جانب عدم سماع الموتیٰ کی نسبت کی ہے ان کا نسبت کرنا غلط ہے۔انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا غلط بات تو بالکل واضح تھی۔مگر تعصب نے مؤلف موصوف کو بہت دور جا پھینکا۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۱۲</u>:{ مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ سماع الموتیٰ کی دو عبارتوں میں تعارض ہے۔}

مولوی شیر محمد صاحب لکھتے ہیں۔تعارض نمبر ۱۲ (سماع الموتیٰ ص ۱۶۱) میں تحریر فرمایا۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۹۷ھ بانی دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ سماع اموات کے قصہ میں اوّل تو یہ معروض ہے کہ امر قدیم سے مختلف فیہ ہے۔دوسرے ضروریات دینی عقائد ضروریہ میں سے نہیں۔اب اس سے آگے صفحہ ۲۲۴ نکال کر دیکھیں۔وہاں تحریر فرماتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سماع موتیٰ کے مسئلہ کو ضروریات دین کے مسائل میں شمار کرتے ہیں۔

اس موقعہ پر مولانا کا وہ قاعدہ پیش نظر رہے جو آپ نے (تفریح الخواطر ص ۲۹) میں لکھا کہ جب کوئی مصنف کسی کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کرتا ہے اور اس کے کسی حصہ سے اختلاف نہیں کرتا تو وہی مصنف کا نظریہ ہوتا ہے۔مولانا اپنے اس قاعدہ کے مطابق سماع موتیٰ کو ضروریات دین کے مسائل میں بھی شمار کرتے ہیں اور ضروریات دینی اور عقائد ضروریہ میں سے بھی شمار نہیں کرتے۔کیونکہ مولانا صاحب نے دونوں حضرات کی عبارت کے کسی حصہ سے اختلاف نہیں کیا۔　(آئینہ تسکین الصدور ص ۲۳۶، ۲۳۷)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی اور علامہ ابن تیمیہ کی عبارات ضرور پیش کی ہیں۔مگر علامہ ابن تیمیہ کی عبارت نقل کر کے خصوصیت سے اس نظریہ کو ان کی جانب ہی منسوب کیا ہے۔جیسا کہ ان کی عبارت کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن تیمیہ سماع موتیٰ کے مسئلہ کو ضروریات دین میں شمار کرتے ہیں۔جب کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا نظریہ اس بارہ میں وہ ہے جو انہوں نے سماع موتیٰ کے اندرونی ٹائٹل صفحہ پر فرمایا ہے اور اس میں ثابت کیا گیا ہے۔جمہور امت عند القبور سماع الموتیٰ کی قائل ہے اور حضرات فقہاء احناف کا معتد بہ طبقہ اور اکابر علماء دیوبند کی اکثریت سماع الموتیٰ کی قائل ہے۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کو مختلف فیہ سمجھتے ہیں اور پھر (ص ۱۳، ۱۴) میں فرمایا کہ سماع الموتیٰ کا مسئلہ فروعی مسائل میں سے ہے اور وضاحت کی ہے کہ یہ بنیادی عقائد اور حلال وحرام کے احکام سے نہیں ہے۔　(سماع الموتیٰ ص ۲۲۶)

جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ سماع الموتیٰ کو مختلف فیہ اور فروعی مسائل میں سے بیان کیا ہے تو اس کے باوجود

کہنا کہ حضرت نے دونوں عبارتوں میں کسی حصہ سے اختلاف نہیں کیا۔ ایسی بات صرف وہی کہہ سکتا ہے جس نے حقیقت جاننے اور حقیقت بتانے سے آنکھیں بند کر رکھی ہوں۔

دھوکہ نمبر ۱۱۳: {مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ سماع الموتیٰ کی دو عبارتوں میں تعارض ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۱۳ (سماع الموتیٰ ص ۲۸) پر مولانا تحریر فرماتے ہیں۔ مردہ اپنے اہل وعیال اور دوستوں کے احوال کو جانتا ہے جو ان کو دنیا میں پیش آتے ہیں اور یہ حالات اس پر پیش کئے جاتے ہیں اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ دیکھتا بھی ہے اور جو کچھ اس کے پاس کیا جاتا ہے، اس کو بھی جانتا ہے۔ اگر وہ کارروائی اچھی ہو تو اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اگر وہ بری ہو تو اس کو اس سے رنج پہنچتا ہے۔ اب اس سے آگے ص ۲۵ نکال کر دیکھیں۔ وہاں تحریر فرماتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پر چپکے سے آکر سجدہ کرتا ہے یا قبر پر نذر و نیاز ہی آکر رکھ دیتا ہے تو بزرگوں کو اس کی کیا خبر ہے۔

اب ناظرین بتائیں کہ مولانا کا نظریہ کیا سمجھے؟　　(آئینہ تسکین الصدور ص ۲۳۷)

یہی اعتراض غیر مقلد عالم جناب ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی کیا ان کو ہم نے جو جواب دیا تھا اسی کو کچھ تبدیلی کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

معترض نے اپنی دیانت کا یہاں جو خون کیا ہے اس کی مثال وہ اپنے طبقہ میں سے تو یقیناً پیش کر سکیں گے۔ مگر جن لوگوں کے ہاں دیانت متاع عزیز سرمایہ ہے ان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ معترض نے علامہ بعلی کے حوالہ کا کچھ حصہ سماع الموتیٰ ص ۲۸ سے نقل کیا۔ مگر اس عبارت کے بارہ میں حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا نظریہ اور اس عبارت کی جو توجیہ بیان کی ہے اس کو معترض نے بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تین صفحے بعد ہی اپنا نظریہ یوں لکھا کہ اگر ہماری توجیہ پسند آئے تو اس کو قبول کر لیں۔ وہ یہ کہ ان عبارات میں رؤیت سے مراد رؤیت بصری نہیں بلکہ رؤیت قلبی مراد ہے۔ جس کو علمی بھی کہتے ہیں۔ پھر سماع الموتیٰ میں آگے لکھا ہے اور حضرات فقہاء کرام کی ان عبارات میں رویت سے جاننا مراد ہے کہ جب کوئی زندہ شخص قبر کے پاس جا کر سلام وکلام کرتا ہے تو مردے اس کو آواز اور لب ولہجہ سے پہچان لیتے ہیں۔ جیسا کہ نابینا حضرات لوگوں کو آواز سے پہچانتے ہیں۔ (سماع الموتیٰ ص ۳۱، ۲۵۵) کی عبارت میں ہے کہ اگر کوئی شخص چپکے سے سجدہ کرتا یا خاموشی سے قبر کا طواف کر جاتا ہے تو مردہ کو اس کی کیا خبر ہے۔

اتنی وضاحت کے باوجود اگر کوئی (سماع الموتیٰ ص ۲۸) کی علامہ بعلی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو (ص ۲۵۵) کی عبارت کے ساتھ تعارض کے طور پر پیش کرتا ہے تو وہ یقیناً تعارض کی تعریف سے بالکل جاہل یا سراسر دھوکہ دینے کے چکر میں ہے۔

دھوکہ نمبر ۱۱۴: {مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ تسکین الصدور اور سماع الموتیٰ کی عبارات میں تعارض ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۱۴ (تسکین الصدور ص ۳۸۴) میں مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم وغیرہ وہ بزرگ ہیں کہ اگر کسی بات سے شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کا سد باب کرتے ہیں اور اس کے خلاف محاذ قائم کر دیتے ہیں۔ مگر سماع موتیٰ کا مسئلہ اتنا صاف ہے اور بے غبار ہے کہ یہ بزرگ اس کے پرزور حامی ہیں۔ پھر مؤلف موصوف آگے لکھتے ہیں۔ اب سماع الموتیٰ اٹھایئے اور اس کا (ص ۱۲۸) ملاحظہ فرمایئے جہاں لکھتے ہیں کہ باقی رہے حافظ ابن تیمیہ علامہ ابن عبد الہادی اور امام ابن رجب وغیرہ حضرات تو ایک تو یہ متاخرین میں شامل ہیں، ان کا قول حجت نہیں۔ پھر اس مسئلہ میں یہ فریق ہیں۔ لہٰذا مجوزین کے نزدیک ان کی بات حجت نہیں۔

وضاحت: مولانا صاحب یہاں تو مذکور بالا حضرات کے قول کو حجت نہیں مانتے اور تسکین الصدور میں ان کے قول کو حجت قرار دیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ توسل استشفاع عند القبور اگر حق ہوتا تو حافظ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم علامہ ابن عبدالہادی حافظ ابن رجب اور امام بدرالدین بعلی اور علامہ آلوسی وغیرہ اس کو شرک سے تعبیر نہ فرماتے۔　　(آئینہ تسکین الصدور ص ۲۳۸، ۲۳۹)

مؤلف موصوف نے جن دو عبارتوں کو متعارض کہا ہے ان میں قطعاً کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ پہلی عبارت میں ہے کہ سماع الموتی کا مسئلہ اتنا صاف ہے اور بے غبار ہے کہ شرک کے مقابلہ میں باقی حضرات کی بہ نسبت سخت رویہ رکھنے والے علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم جیسے حضرات کو بھی وہم نہیں ہوا۔ اسی لئے انہوں نے اس کو حق قرار دیا ہے اور دوسری عبارت میں ہے کہ استشفاع عند القبر کو انہوں نے ذریعہ شرک کہا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں ان کو شرک کا وہم پیدا ہوا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ جس کو علامہ ابن تیمیہ وغیرہ حق کہیں وہ حق ہے اور جس کو وہ شرک قرار دیں وہ شرک ہے۔ جیسا کہ مؤلف موصوف نے نتیجہ اخذ کر کے اعتراض کیا ہے۔ پھر مؤلف موصوف کا یہ کہنا کہ تسکین الصدور میں ان کے قول کو حجت مانتے ہیں اور سماع الموتی میں حجت نہیں مانتے تو اس کی وضاحت بھی خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں موجود ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں ”باقی رہے حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم، علامہ ابن الہادی اور امام ابن رجب رحمہم اللہ وغیرہ حضرات تو ایک تو یہ متاخرین میں شامل ہیں۔ ان کا قول بلا دلیل حجت نہیں ہے۔“　　(سماع الموتی ص ۱۲۸)

جب حضرت نے یہ فرمایا ہے کہ ان کا قول بلا دلیل حجت نہیں ہے تو جہاں ان کا قول بلا دلیل ہے وہاں حجت نہیں۔ جیسا کہ استشفاع عند القبر کے مسئلہ میں اور جہاں ان کا قول دلیل کے ساتھ ہے تو وہاں حجت ہے۔ جیسا کہ سماع الموتی کے مسئلہ میں۔ ان دونوں باتوں میں کسی اہل علم کے ہاں تو تعارض نہیں۔ البتہ متعصب کا معاملہ اس سے جدا ہے۔

دھوکہ نمبر ۱۱۵: {مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ سماع الموتی اور راہ سنت کی عبارات میں تعارض ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۱۵ پھر لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے (سماع الموتی ص ۲۲۵) میں امام عقیلی کے حوالہ سے نقل کردہ حدیث کو دلیل بنایا ہے۔ حالانکہ انہوں نے (راہ سنت ص ۲۱۸) میں لکھا ہے کہ امام سیوطی جامع کبیر میں لکھتے ہیں کہ جو روایت عقیلی اور ابن عدی اور خطیب بغدادی اور ابن عساکر حکیم ترمذی اور ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت کا ذکر کیا، کی طرف منسوب ہو تو وہ ضعیف ہوگی۔ ان کی طرف نسبت کر دینا ہی ان کے ضعف کے لئے کافی ہے۔ الگ بیان کی حاجت نہیں ہے۔

پھر آگے مؤلف موصوف لکھتے ہیں۔ اب مولانا صاحب خود ہی انصاف فرمائیں کہ آپ ہی ان کتابوں پر جرح کرتے ہیں اور خود ہی ان کتابوں سے دلائل لاتے ہیں اور لوگوں کو کہتے ہیں کہ یہ وہ کتابیں ہیں جن سے جملہ اہل بدعت خصوصاً خان صاحب بریلی اپنے سب مسائل ثابت کرتے ہیں۔ کیا آپ بھی انہی کے زمرہ میں تو داخل نہیں ہو گئے؟ یا آپ کے لئے استثناء ہے۔　　(آئینہ تسکین الصدور ص ۲۳۹، ۲۴۰)

اگر مؤلف موصوف نے دیانت کو خیرباد کہہ دیا ہے تو دیگر حضرات راہ سنت اور سماع الموتی کی اصل عبارات ملاحظہ فرمائیں تو معاملہ بالکل نکھر کر سامنے آجائے گا۔ سماع الموتی میں امام عقیلی کے حوالہ سے روایت نقل

کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں ''محمد بن اشعث'' ہے جو مجہول ہے اور امام عقیلی نے کہا کہ اس کی حدیث محفوظ نہیں ہے۔ (لسان ج ۵ ص ۸۴) بجا ہے مگر دیگر صحیح روایات اور امت کا تعامل اس سے استدلال کا مؤید ہے اور یہ اس قدر کمزور نہیں کہ اس کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے اور جس مسئلہ کے اثبات کے لئے یہ حدیث پیش کی جاتی ہے وہ خود اختلافی مسئلہ ہے اور بنیادی عقائد اور حلال وحرام کے احکام سے نہیں ہے۔ (سماع الموتی ص ۲۲۶)

اس عبارت سے واضح ہے کہ اس روایت پر نظریہ کا مدار نہیں رکھا بلکہ اس کو تائید کے لئے پیش کیا ہے اور چونکہ مسئلہ بھی بنیادی عقائد اور حلال وحرام کے احکام میں سے نہیں۔ اس لئے ایسے معاملہ میں اس کا اعتبار کیا جا سکتا ہے اور راہ سنت میں امام سیوطی کا حوالہ نقل کرنے کے بعد وضاحت کی گئی ہے جس کو مولف موصوف نے اپنے خودساختہ مفہوم میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ اگر ان کتابوں میں کوئی روایت باسند ہو اور سند بھی متصل ہو اور راوی بھی تمام ثقہ ہوں اور شذوذ وعلت قادحہ سے بھی محفوظ ہو تو الگ بات ہے۔ ورنہ ان کی طرف کسی روایت کو منسوب کر دینا اس کے ضعیف اور کمزور ہونے کی دلیل ہے اور یہی وہ کتابیں ہیں کہ جن سے جملہ اہل بدعت اور خصوصاً خان صاحب بریلی اپنے سب مسائل ثابت کرتے ہیں۔ (راہ سنت ص ۲۳۳)

سماع الموتی میں روایت کو کمزور تسلیم کیا ہے مگر حضرات محدثین کرام اور فقہاء کے قاعدہ کے مطابق کہ اختلافی مسائل میں اور ایسے مسائل میں جو بنیادی عقائد اور حلال وحرام کے زمرہ میں سے نہ ہوں ان میں ضعیف روایت کو دلیل بنایا جا سکتا۔ خصوصاً جب کہ دیگر صحیح روایات اس کی مؤید ہوں۔ جیسا کہ علامہ نیموی لکھتے ہیں: ''الضعيف يصلح للتقوية'' (تعلیق الحسن علی آثار السنن ج ۲ ص ۴۸) کہ ضعیف روایت تقویب کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یعنی اس سے تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

جب راہ سنت میں امام عقیلی کی غیر ثقہ راویوں کی روایت کو کمزور وضعیف کہا گیا ہے اور سماع الموتی میں بھی راوی پر جرح کی وجہ سے اس روایت کو کمزور کہا گیا ہے تو دونوں عبارتوں میں تعارض کیسا؟

راہ سنت میں علی الاطلاق ان کتابوں میں مذکور روایات کو رد نہیں کیا گیا تو ان کتابوں سے روایات لینے کو اس سے متعارض قرار دیا جائے۔ جب تعارض کی کوئی صورت بھی نہیں بنتی تو مولف موصوف کا ان عبارات کو تعارض کی صورت میں پیش کرنا تعارض کی تعریف سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

پھر مولف موصوف فرماتے ہیں کہ کیا آپ بھی انہی (اہل بدعت۔ قارن) کے زمرہ میں تو داخل نہیں ہو گئے؟ تو عرض ہے کہ اہل بدعت تو اپنے سب مسائل ان ہی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں جب کہ مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو مسائل بیان کئے ہیں ان کا مدار ان کتابوں پر نہیں بلکہ قرآن کریم وصحیح احادیث واقوال صحابہ کرام، فقہاء کرام پر ہے۔ اس لئے مولف موصوف کا مولانا صفدر صاحب کو اہل بدعت کے زمرہ میں شمار کرانے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ البتہ مولف موصوف کو اپنی فکر کرنی چاہئے کہ انہوں نے اور ان کے طبقہ نے دوسروں کی عبارات میں قطع وبرید اور عبارات کے خودساختہ مفہوم نکال کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کا انداز جو اہل بدعت سے لیا ہے کیا وہ اس میں اہل بدعت کے مقلد تو نہیں ہو گئے۔

دھوکہ نمبر ۱۱۶: {مولف موصوف فرماتے ہیں کہ سماع الموتی کی دو عبارتوں میں تعارض ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۱۶ (سماع الموتی ص ۲۹۸) میں مولانا صاحب تحریر

فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نام لینے والا کوئی بھی شخص سماع موتی کا منکر نہیں۔ اب ذرا پیچھے ورق الٹتے جائیں اور ص ۸۱ نکالیں جہاں مولانا صاحب لکھتے ہیں اور جو حضرات سماع موتی کا انکار کرتے ہیں ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اب مولانا صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے سماع موتی کا انکار کیا ہے اسلام کا نام لینے والے نہیں ہے۔
(آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۰، ۲۴۱)

(سماع موتی ص ۸۱) کی جس عبارت کا حوالہ مؤلف موصوف نے دیا ہے وہ عبارت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کیا ہے جس کی بحث پہلے ہو چکی ہے اور (ص ۲۹۸) کی جو عبارت ہے وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحقیق کے بعد فرمائی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عدم سماع والے نظریہ سے رجوع کر لیا تھا۔ (سماع الموتی ص ۲۸۹ تا ۲۹۴)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت نقل کی جس میں ہے کہ جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا وہ جب بھی اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب ہے۔ (سماع الموتی ص ۲۹۸)

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سماع موتی کے منکر نہیں۔ (سماع موتی ص ۱۸۳)

اور مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے عمدۃ الرعایہ کے حوالہ سے لکھا کہ ہمارے ائمہ (حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد رحمہم اللہ وغیرہ) تو نفی سماع موتی وغیرہ امور سے بالکل بری ہیں۔ (سماع موتی ص ۲۹۲)

ان عبارات سے واضح ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ منکرین سماع موتی میں شامل ہی نہیں۔ مگر مؤلف موصوف دیانت وامانت کی تمام حدوں کو پھلانگتے ہوئے کس دیدہ دلیری سے مولانا صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ شخصیات اسلام کا نام لینے والے نہیں تھیں۔ تف ہے مسلک کی ایسی پاسداری پر جو آدمی کو حقیقت تسلیم کرنے سے روک دے اور بے تکی ہانکنے پر مجبور کر دے۔

اعتراض کی کوئی بات تو نہ تھی مگر پھر بھی سماع الموتی طبع اوّل کے بعد کے ایڈیشن میں ص ۲۹۸ والی عبارت بدل دی گئی ہے اور اب عبارت یوں ہے۔ ''بقول علامہ حقانی ان میں عدم سماع کا اشارہ تک نہیں ہے۔ مگر یہ ظلم ہے کہ اب جو حضرات سماع موتی کے منکر ہیں وہ اس آیت سے اپنے استدلال کو نص قطعی سمجھتے ہیں اور مجوزین سماع موتی کی تکفیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ اسی کتاب میں باحوالہ نیلوی صاحب کی عبارتیں عرض کر دی گئی ہیں۔'' (سماع الموتی ص ۲۹۸)

دھوکہ نمبر ۱۱۷: {مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ تسکین الصدور کی دو عبارتوں میں تعارض ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۱۷ (تسکین الصدور ص ۱۴۰) میں تحریر فرماتے ہیں۔ جب تک بدن رہتا ہے روح کا بدن عنصری کے ساتھ تعلق اور ربط بھی باقی رہتا ہے اور جلانے کی صورت میں چونکہ بدن کے اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں اس لئے روح کا تعلق بھی اس بدن سے کلیۃً منقطع ہو جاتا ہے۔ اب ذرا پیچھے چند اوراق الٹیے (ص ۱۲۷) ملاحظہ فرمائیے جہاں مولانا نے لکھا ہے کہ روح کا اس بدن سے تعلق رہتا ہے جو عنصری ہے۔

کیونکہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ وہی ہوتا ہے اور یہ تعلق بدستور ہمیشہ رہتا ہے۔ اگر چہ جسم عنصری ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو جائے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۱)

یہی اعتراض مؤلف موصوف نے تعارض نمبر ۸ میں بھی کیا ہے۔ جس کا جواب دے دیا گیا۔ اب صرف عبارت بدلی ہوئی ورنہ اعتراض وہی ہے۔ اس لئے اس کا جواب بھی اسی جواب کے ضمن میں دیکھ لینا چاہئے۔

دھوکہ نمبر ۱۱۸: {مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ تسکین الصدور کی دو عبارتوں میں تعارض ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۱۸ (تسکین الصدور ص ۱۲۷) میں ہے۔ مگر روح کے جسم کی طرف اعادہ کی وجہ سے حیات کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے جیسے مقتول بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی تھی۔

اب ذرا آگے ورق الٹیئے (ص ۱۳۴) نکالئے جہاں لکھا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ قبر میں مردہ کو مطلق اور کامل حیات حاصل نہیں ہوتی جیسی حیات موت سے پہلے اس کو حاصل ہوتی ہے جس سے عذاب وکلفت کا احساس ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نہ تو اس حیات کا احساس کر سکتے ہیں اور نہ اس کی پوری حقیقت کا ادراک کر سکتے ہیں۔

(آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۱، ۲۴۲)

ہم نے پہلے لکھا کہ مؤلف موصوف سرائیکی علاقہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اردو ادب کی باریکیوں سے ناواقف ہیں یا تو انہوں نے یہاں بھی اسی ناواقفیت کی وجہ سے ایسا کیا ہے یا جان بوجھ کر دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ عبارت کو سیاق سے کاٹ کر ذکر کیا۔ اردو ادب میں مگر کا استعمال دو جملوں کے درمیان یا ایک ہی جملہ کے درمیان کیا جاتا ہے اور اس کا مفہوم مگر سے آگے اور پیچھے دونوں عبارتوں کو ملحوظ رکھ کر ہی واضح ہوتا ہے۔ اس لئے مگر سے آگے کی عبارت ذکر کرنا اور پیچھے کی عبارت کو چھوڑ دینا یا تو اردو ادب سے ناواقفیت ہے یا جان بوجھ کر دھوکہ دہی ہے۔ تسکین الصدور کی اصل عبارت جو علامہ ابن حزم ظاہری کے جواب میں علامہ ابن القیم کی عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھی گئی وہ یوں ہے اور ان کی اس عبارت میں پہلے جواب سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ سوال نکیرین کے وقت گو عارضی سہی مگر روح کے جسم کی طرف اعادہ کی وجہ سے حیات کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے جیسے مقتول بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی تھی۔ (تسکین الصدور طبع ۱۲ ص ۱۳۵)

اور دوسری عبارت جو مؤلف موصوف نے (تسکین الصدور ص ۱۳۴) سے نقل کی ہے اس میں بھی اپنی دیانت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے درمیان سے عبارت اڑا دی۔ تا کہ اپنے مطلب کا مفہوم واضح کر سکیں۔ تسکین الصدور کی اصل عبارت یوں ہے۔ ''اس سے بھی معلوم ہوا کہ قبر میں مردہ کو مطلق اور کامل حیات حاصل نہیں ہوتی۔ جیسی حیات موت سے پہلے اس کو دنیا میں حاصل تھی۔ بلکہ اس انداز کی حیات اس کو حاصل ہوتی ہے جس سے عذاب وکلفت کا احساس ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نہ تو اس حیات کا احساس کر سکتے ہیں اور نہ اس کی پوری حقیقت کا ادراک کر سکتے ہیں۔'' (تسکین الصدور ص ۱۴۲)

مؤلف موصوف نے خط کشیدہ ساری عبارت چھوڑ دی۔ پھر ان دو عبارتوں میں تعارض کا دعویٰ بھی باطل ہے۔ اس لئے کہ پہلی عبارت میں علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ جب کہ دوسری عبارت میں ''امام قاسم بن قطلو بغا الحنفی رحمۃ اللہ علیہ'' کی عبارت کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔

اور ان دونوں عبارتوں میں سے علامہ ابن القیم کی عبارت کے ساتھ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کیا ہے۔ جیسا کہ اس بحث کے آخر میں فرمایا۔ ہاں بعض حضرات کا یہ نظریہ بھی ہے کہ نکیرین کے سوال کے وقت روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔ پھر بلا تکلیف نکال لی جاتی ہے۔ لیکن مع ہذا میت میں ایسا ادراک وشعور باقی رہتا ہے کہ جب بھی کوئی اس کی زیارت کو آتا ہے تو وہ اس کو (اس کے سلام وکلام کے لب ولہجہ سے) پہچان لیتی ہے۔ (تسکین الصدور ص ۱۵۶)

اس عبارت میں واضح ہے کہ نکیرین کے سوال کے وقت روح کا بدن میں اعادہ کا نظریہ بعض حضرات کا ہے، جمہور کا نہیں ہے۔ جب کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ وہی ہے جو جمہور کا ہے۔ جس کی وضاحت انہوں نے اسی صفحہ میں یوں فرمائی۔

قارئین کرام! آپ اس مفصل اور مدلل با حوالہ بحث سے بخوبی یہ معلوم کر چکے ہیں کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت اور اسی طرح قبر کی راحت وعذاب کے سلسلہ میں جمہور فقہاء اور متکلمین کے نزدیک روح کا بدن مادی اور عنصری سے باقاعدہ تعلق اتصال اور ربط ہوتا ہے، اگرچہ اس کے اجزاء ریزہ ریزہ اور ذرہ ذرہ ہو کر بکھر جائیں۔ (تسکین الصدور ص ۱۵۶)

جب دونوں عبارتیں دو مختلف حضرات کی ہیں تو تعارض کیسا؟ پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے ایک کی تائید اور دوسری عبارت سے اختلاف کیا ہے تو ان کے نظریہ میں تعارض کیسا؟ اس کو تعارض سے تعبیر کرنا بالکل باطل ہے۔

دھوکہ نمبر ۱۱۹: {مولف موصوف سماع الموتی اور راہ ہدایت کی عبارتوں میں تعارض کا دعویٰ کرتے ہیں۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۱۹ (سماع الموتی ص ۱۳۷) میں لکھا ہے کہ عقلمندوں کی جماعت ان کو محقق فاضل اور مبتدع قرار دیتی ہے۔ (پھر آگے لکھا اسی صفحہ پر کہ) ہمارا مقصد ان حوالوں سے حافظ ابن تیمیہ کی توہین وتنقیص نہیں ہے۔ اب راہ ہدایت اٹھایئے اور ص ۱۴۸ نکالئے جہاں مولانا صاحب نے تحریر کیا۔

(نوٹ) اکثر اہل بدعت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۲۸ھ اور حافظ ابن القیم کی رفیع شان میں بہت ہی گستاخی کرتے ہیں۔ مگر حضرت ملا علی القاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں بزرگوں کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ دونوں اہل السنت والجماعۃ کے اکابر میں اور اس امت کے اولیاء میں تھے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۲)

مولف موصوف نے لکھا کہ اب راہ ہدایت اٹھایئے اور صفحہ ۱۴۷ نکالئے۔ حالانکہ یہ عبارت راہ ہدایت میں ہے ہی نہیں بلکہ یہ عبارت راہ سنت ص ۱۸۷ میں ہے۔ اسی قسم کا اعتراض غیر مقلد عالم جناب ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی کیا تھا تو اس کا جواب میں ہم نے ان کے سوال کے مطابق دے دیا تھا۔ یہاں صرف سوال میں معمولی انداز بدلا گیا ہے۔ اس لئے ہم عرض کرتے ہیں کہ معترض کا یہ کہنا کہ مولانا صاحب نے ایک جانب یہ کہا ہے کہ اہل بدعت حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم کی رفیع شان میں بہت گستاخی کرتے ہیں اور دوسری جانب ان کی تنقیص کرتے ہوئے کہا کہ عقلمندوں کی جماعت ان کو محقق فاضل مبتدع قرار دیتی ہے۔

اگر کوئی آدمی تصنیف وتالیف کے طریق کار سے واقف ہو خصوصاً ایسی تصنیف جو کسی مخالف کے ساتھ مباحثہ کی صورت میں ہو تو وہ بخوبی جان سکتا ہے کہ راہ سنت کی عبارت ایک خاص مقصد کے لئے لائی گئی وہ یہ کہ جب علامہ ابن القیم اور علامہ ابن تیمیہ کے حوالے ایک مسئلہ میں دیئے گئے تو کوئی اعتراض کر سکتا تھا کہ جس طبقہ کے خلاف یہ حوالے دیئے جا رہے ہیں وہ تو علامہ ابن القیم اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایسا اختلاف رکھتے ہیں کہ ان کی کوئی بات ماننا تو درکنار ان کی علمی

حیثیت بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ ان کی شان میں بہت ہی گستاخیاں کرتے ہیں تو ان کے خلاف ان حضرات کے حوالے کیوں دیئے گئے تو اس پیدا ہونے والے اشکال کو رفع کرنے کے لئے لکھا کہ ملا علی القاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت نے جب ان کی تعریف کی ہے اور ان کو اہل السنت والجماعت کے اکابر میں شمار کیا ہے تو وہ ایسی شخصیات نہیں کہ ان کی بات کا بالکل ہی اعتبار نہ کیا جائے بلکہ ایسے مسائل میں جہاں وہ متفرد نہ ہوں ان کے حوالے پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور سماع الموتی کی عبارت میں ان کے بعض ایسے مسائل جن میں وہ متفرد ہیں اور متشدد بھی ہیں ان کو ذکر کرنے کے بعد علامہ ذہبی، ابن حجر المکی اور امام سبکی سے ان کے بارہ میں الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھا یہ بڑوں کی آپس میں معاصرانہ یا ناقدانہ باتیں ہیں۔ ہمارے لئے سبھی حضرات قابل قدر ہیں اور معاذ اللہ تعالیٰ ہمارا مقصد ان حوالوں سے حافظ ابن تیمیہ کی توہین وتنقیص نہیں ہے۔ بتانا صرف یہ ہے کہ کئی مسائل میں وہ متفرد ہیں اور ان مسائل میں ان کے شاگردوں اور مخصوص متوسلین کے بغیر اور کسی نے ان کی ہمنوائی نہیں کی اور طبیعت کی شدت اور حدت کی وجہ سے وہ ان پر مصر بھی رہے۔ لہٰذا جمہور کا ساتھ چھوڑ کر ایسے نظریات میں ان کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔ حق جمہور کے ساتھ ہی ہے۔ (سماع الموتی ص ۱۳۷، ۱۳۸)

راہ سنت کی عبارت میں ہے کہ وہ بالکل بے اعتبار نہیں کہ ان کی کوئی بات ہی نہ مانی جائے اور سماع الموتی کی عبارت میں ہے کہ جمہور کے خلاف ان کی متفرد باتوں کو نہیں لیا جا سکتا اور ان دونوں باتوں میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس کو تعارض میں صرف متعصب ہی شمار کر سکتا ہے۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۲۰</u>: {مؤلف موصوف ازالۃ الریب کی عبارتوں میں تعارض کا دعویٰ کرتے ہیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۲۰ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''وکذا ما عند البزار بسند جید عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ رفعه حیاتي خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ومماتي خیر لم تعرض علی اعمالکم فما من حسن حمدت الله علیه وما کان میں سیئی استغرت الله لکم ذکره فی شرح المواهب من وفاته صلی اللہ علیہ وسلم انه عرض کعرض الاسماء علی الملائکة لاعل محیط''

(فہرست مضامین عقیدۃ الاسلام ص ۱۱، ازالۃ الریب طبع اوّل ص ۴۲۳)

اب دیکھئے (ازالۃ الریب طبع اوّل ص ۴۲۴)

(نوٹ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''تحدثون ویحدث لکم'' کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ یہ حضرت بکر بن عبداللہ المزنی التابعی التوفی ۱۰۶ھ یا ۱۰۸ھ کی روایت میں ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۲، ۲۴۳)

مؤلف موصوف اس عبارت سے ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کی ان عبارات میں تعارض ہے۔ اس لئے کہ اوپر حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''تحدثون ویحدث لکم'' کے الفاظ نقل کئے ہیں اور آگے نوٹ میں اس بات کا ذکر کیا کہ یہ الفاظ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں نہیں بلکہ حضرت بکر بن عبداللہ المزنی کی روایت کے ہیں جو کہ مرسل ہے۔ حضرت مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ان عبارات میں قطعاً کوئی تعارض نہیں۔ اس لئے کہ ابتداء میں حضرت کے پیش نظر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الخصائص الکبریٰ ہی تھی۔ اس کی وضاحت حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود (تسکین الصدور ص ۲۴۴) میں فرمائی ہے۔ الخصائص الکبریٰ میں یہ الفاظ نہیں اس لئے یہ لکھا کہ حضرات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ مگر بعد میں جب اس بارہ میں مجمع الزوائد کو دیکھا گیا تو اس میں

بحوالہ بزار یہ الفاظ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں موجود تھے اور حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حوالہ امام بزار کا دیا تھا۔ اس لئے ازالۃ الریب کی طبع اوّل کی عبارت کو بعد میں بدل دیا گیا اور اب عبارت یوں ہے۔

(نوٹ ضروری) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو خصائص الکبریٰ میں نقل کی گئی ہے۔ ''تحدثون ویحدث لکم'' نہیں یہ الفاظ بحولہ بزار (مجمع الزوائد ج۹ ص ۲۴) میں ہیں۔ (ازالۃ الریب ص ۴۰۲)

اگر پہلی عبارت ہی کو ملحوظ رکھا جائے تب بھی تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ روایت سے اس حصہ سے اختلاف کو ظاہر کرنا ہے کہ انہوں نے روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ حالانکہ الخصائص الکبریٰ میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور بعد والی عبارت میں بھی کوئی تعارض نہیں بلکہ اس کی صراحت ہے کہ (مجمع الزوائد ج۹ ص ۲۴) میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں جب کہ الخصائص الکبریٰ میں الفاظ نہیں ہیں۔ ان میں تعارض تو کوئی نہیں مگر مؤلف موصوف اور ان کے رفقاء نے تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ کر اس کو تعارض کا نام دیا ہے۔

پھر مؤلف موصوف کا تعارض در بارہ عرض اعمال کا عنوان قائم کرنا بھی دھوکہ سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ روایت میں ''تحدثون ویحدث لکم'' کے الفاظ ہوں یا نہ ہوں، اس سے روایت میں ذکر کردہ عرض اعمال والے حصہ کو کوئی فرق نہیں پڑتا وہ اپنی جگہ ان تمام روایات میں ایک ہی جیسا ہے۔

دھوکہ نمبر ۱۲۱: {مؤلف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے عرض اعمال والی روایت میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا وہم بتایا اور خود عرض اعمال کی روایت کو دلیل بنایا۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور ازالۃ الریب کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام حارث نے اپنے مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صرف ان الفاظ میں یہ روایت نقل کی ہے۔ ''حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم'' علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ ''باسناد ضعیف'' (السراج المنیر ج ۲ ص ۲۳۳)

کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس میں عرض اعمال کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ وہم ہے کہ انہوں نے عرض اعمال کے سلسلہ میں اس کو پیش کیا ہے۔ (الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱)

پھر آگے مؤلف موصوف اس پر تبصرہ کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا وہم بتاتے بتاتے خود ہی وہمی ہو گئے کہ اس روایت کو تسکین الصدور (ص ۲۶۶) میں عرض اعمال کے سلسلہ میں لائے ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۳، ۲۴۴)

مؤلف موصوف اپنے پورے طبقہ کو وہمی بنانے کے درپے ہیں۔ ورنہ آدمی ازالۃ الریب اور تسکین الصدور میں ان مذکورہ ابحاث کو دیکھ سکتا ہے کہ ازالۃ الریب میں واضح کیا گیا ہے کہ ''حیاتی خیر لکم'' کے الفاظ سے روایت دو طرح سے آتی ہے۔

ایک وہ روایت جس میں ان الفاظ کے ساتھ عرض اعمال کا ذکر بھی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے جس کے بارہ میں ''رجالہ رجال الصحیح'' کہا گیا ہے اور دوسری وہ روایت جس میں صرف ''حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم'' کے الفاظ ہیں اور عرض اعمال کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ان الفاظ سے مروی روایت کے بارہ میں فرمایا کہ اس روایت کو عرض اعمال کے بارہ میں پیش کرنا علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا وہم ہے۔ اس لئے کہ اس میں عرض اعمال کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے اور یہ

روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اب جس روایت کو عرض اعمال کے لئے پیش کرنا علامہ سیوطی کا وہم بتایا ہے۔ وہ اور روایت ہے جب کہ جس روایت کو تسکین الصدور میں عرض اعمال کے لئے پیش کیا ہے وہ اور روایت ہے۔ مگر مؤلف موصوف اپنے سارے طبقہ کو وہمی بنانے کے لئے مولانا صفدر صاحب کو وہمی کہہ رہے ہیں۔

دھوکہ نمبر ۱۲۲: { مؤلف موصوف دعویٰ کرتے ہیں کہ عرض اعمال والی ازالۃ الریب اور تسکین الصدور میں پیش کردہ روایت میں مولانا صفدر صاحب تعارض کا شکار ہوئے ہیں۔ }

مؤلف آئینہ تسکین الصدور ''مولانا صاحب کا بڑا اجتہاد'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ عرض اعمال کے بارے میں تسکین الصدور اور ازالۃ الریب میں عرض اعمال کی روایت میں کس طرح تعارض کا شکار ہوئے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۴)

بفضلہ تعالیٰ ارباب علم وبصیرت کو ازالۃ الریب اور تسکین الصدور کی ابحاث میں کوئی تعارض نظر نہیں آتا۔ یہ صرف تعصب اور تعارض کی تعریف سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ ان میں تعارض کا دعویٰ کیا جارہا ہے۔ ازالۃ الریب کی بعد کی طباعت میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے۔ تاکہ مسئلہ کا سمجھنا آسان ہو جائے مگر طبع اوّل کی عبارات کو بھی ملاحظہ رکھنے والا بخوبی جان سکتا ہے کہ ازالۃ الریب میں بھی عرض اعمال کا نظریہ ہی پیش کیا گیا ہے۔ اس کا رد نہیں کیا گیا اور تسکین الصدور میں بھی عرض اعمال کا نظریہ پیش کیا گیا ہے تو ان میں تعارض کیسا؟

باقی رہی یہ بات کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور عزیزی نے حکیم ترمذی کے طریق سے جو روایت نقل کی ہے اس کے بارہ میں ازالۃ الریب میں لکھا ہے کہ اس کی سند اور سند کے روات کا کوئی اتا پتہ نہیں تو اس کی وضاحت حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود ان الفاظ سے فرمائی ہے کہ جس وقت ہم نے ازالۃ الریب لکھی تھی اس وقت ہمارے سامنے صرف امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی الخصائص الکبریٰ کا حوالہ ہی تھا اور ہم صرف امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح پر ان کے تساہل ہونے کی وجہ سے مطمئن نہ تھے۔ لیکن سرسری طور پر اس کے دیگر مظان سے دیکھا تو کسی اور کی تصحیح وتحسین نہ مل سکی۔ لیکن جب بعد کو مجمع الزوائد، زرقانی، رئیس المحدثین، ابن حجر ثانی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ اور مولانا عثمانی وغیرہ کے حوالے مل گئے تو ہم مطمئن ہو گئے اور ہم نے اسی اطمینان سے یہ بحث تسکین الصدور میں باحوالہ درج کر دی ہے اور اس سلسلہ میں اصل اعتماد امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسروں پر ہے۔ جب اس روایت کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں تو ان کے ثقہ ہونے میں کیا شبہ ہے؟ (تسکین الصدور ص ۲۴۴)

معترض کو اعتراض سے پہلے اس وضاحت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے تھا اور پھر ''الاخر فالاخر'' کے قاعدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ازالۃ الریب کی طبع اوّل کی عبارت کو زیر بحث لانے کی بجائے بعد والی طبع کی عبارت کو ملحوظ رکھنا چاہئے تھا مگر ایسی توقع اس سے ہوسکتی ہے جس کا مقصد احقاق حق وابطال باطل ہو اور جس کا مقصد ہی دھوکہ دہی ہو اس سے ایسی توقع نہیں کی جاسکتی۔

دھوکہ نمبر ۱۲۳: { مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے لکھا کہ روحیں آسمانوں میں ہوتی ہیں اور دوسری جگہ لکھا کہ قبر سے ایسی زندگی ہوتی ہے جو دنیا میں تھی۔ }

مؤلف آئینہ تسکین الصدور حیات الانبیاء علیہم السلام کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبور سے وہ حیات مراد ہے جو دنیا میں تھی جس میں جسم و روح کا تعلق تھا اور یہی حالت قبر میں بھی ہے۔ (تسکین الصدور طبع اوّل ص ۱۶۵) لیکن روحیں آسمانوں میں موجود ہیں۔ (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۸، آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۵)

تسکین الصدور کے حوالہ سے مؤلف موصوف نے جو عبارت نقل کی ہے وہ حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جس کی وضاحت انہوں نے خود فرمائی ہے جو تسکین الصدور میں اس کے ساتھ ہی آگے نقل کی گئی ہے کہ یہ حدیثیں حیات کے افعال کے ذکر میں بیان کی گئی ہیں۔ نفس حیات کے بیان کے لئے نہیں ذکر کی گئی اور اس کی وضاحت حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمائی یعنی حیات سے مراد بقاء روح کی حیات نہیں بلکہ اعمال و افعال والی اور اجسام والی حیات مراد ہے۔ (تسکین الصدور طبع اوّل ص ۱۶۶)

جب حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے خود وضاحت فرما دی ہے کہ حیات کے بارہ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ حیات ہے جو دنیا میں تھی تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس حیات کا تعلق جسم سے بھی ہے جس سے افعال ہوتے ہیں۔

اس عبارت کا احسن الکلام والی عبارت سے تعارض تو معمولی فہم والے کو بھی نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تسکین الصدور اور سماع الموتیٰ میں جمہور کا جو مسلک نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ روحیں اپنے اپنے مقام میں ہوتے ہوئے بھی ان کا تعلق قبر میں مدفون جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ بے شک مومنوں کی روحیں آسمانوں پر ہیں۔ ان کے قبور میں اجسام کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اجسام کا قبر پر آنے والے کے سلام کو سننے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا قبر میں نماز پڑھنا روحوں کے آسمانوں پر ہونے کے منافی نہیں بلکہ جمہور کے مسلک کے مطابق میں تطابق ہے۔

<u>دھوکہ نمبر ۱۲۴</u>: {مؤلف موصوف دعویٰ کرتے ہیں کہ احسن الکلام اور تسکین الصدور کی عبارات میں تعارض ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۲۱ دیکھو (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۸) جہاں لکھا اور قرآن کریم وصحیح احادیث اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ آسمانوں میں فرشتے اور ارواح حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسد عنصری کے ساتھ بلکہ تمام دیگر مومنوں کی روحیں آسمانوں میں موجود ہیں۔ اب تسکین الصدور طبع اوّل اٹھائیے ص ۱۶۵ نکالیں جہاں لکھا: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' اور رد سلام کی حدیثوں سے روح کی نماز اور روح کا رد سلام مراد نہیں بلکہ وہ حیات مراد ہے جو دنیا میں تھی جس میں جسم اور روح دونوں کا تعلق تھا اور یہی حالت قبر میں بھی ہے۔

اب مولانا صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا دنیا میں انبیاء علیہم السلام کی حیات اسی طرح تھی کہ ان کی ارواح مبارکہ تو آسمانوں پر رہتی تھیں اور تعلق کی بناء پر دنیا میں چلتے پھرتے اور نمازیں پڑھتے اور دین و دنیا کے کام کاج کرتے تھے یا کہ اسی طرح حیات تھی کہ ارواح اجسام مبارکہ میں ہوتی تھیں اور دین و دنیا کے کاروبار ہوتے تھے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۶)

مؤلف موصوف نے تسکین الصدور کے حوالہ سے نقل کردہ جس عبارت کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ عبارت ابن حجر ثانی علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور انہوں نے خود اس عبارت کی آگے وضاحت فرمائی ہے کہ یہ حدیثیں نفس حیات کے بیان کے لئے نہیں ذکر کی گئیں بلکہ یہ حیات کے افعال کے ذکر میں بیان کی گئی ہیں۔

یعنی اس سے مراد یہ نہیں کہ یہ حیات دنیا کی مکلف زندگی جیسی ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حیات ایسی ہے جس کی وجہ سے جسم سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ جب یہ وضاحت خود حضرت کشمیری سے موجود ہے اور حضرت رحمہ اللہ نے اس کو نقل کیا ہے تو اس کے باوجود معترض کا یہ اعتراض کرنا فضول ہے کہ دنیا میں حیات جسم کے اندر روح کی صورت میں تھی تو کیا قبر میں بھی اسی صورت کی ہے؟

حضرت کشمیری کی وضاحت اور حضرت صفدر صاحب کے وضاحت والے مفہوم کو لینے کی صورت میں تو کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ یہ اعتراض مؤلف موصوف کے خود ساختہ مفہوم کے لینے کا نتیجہ ہے اور یہ ''توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ'' کا مصداق ہے۔

دھوکہ نمبر ۱۲۵: {مؤلف موصوف دعویٰ کرتے ہیں کہ احسن الکلام اور تسکین الصدور کی عبارات میں تعارض ہے۔}

مولوی شیر محمد صاحب لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۲۲ (تسکین الصدور ج ۲ ص ۲۱۸) نظر بظاہر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کو یہ وہم ہوا ہے کہ انہوں نے اس سابق حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے آئینہ میں دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ الگ اور مستقل روایت ہے۔ اب احسن الکلام جلد ۲ اٹھایئے ص ۹۶ نکالئے جہاں لکھا وہم، خطا اور نسیان تو انسان کے ضمیر میں داخل ہے۔ ان سے محفوظ وہی رہے گا جس کو خدا تعالیٰ بچائے گا لیکن بلا دلیل علامہ ذہبی رحمہ اللہ جیسے ناقد فن رجال پر وہم کا الزام کون سنتا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۷)

مؤلف موصوف ان دونوں عبارتوں میں تعارض کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر دیکھتے تو ان کو کوئی تعارض نظر نہ آتا۔ اس لئے کہ ایک عبارت میں ہے کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کو وہم پیدا ہوا ہے اور اس سے پہلے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ علامہ ذہبی کا اس کو منکر کہنا درست نہیں۔ اس لئے کہ منکر وہ روایت ہوتی ہے۔ جس میں ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرتے۔ (تدریب الراوی ص ۱۵۲)

مگر اس روایت کی حیثیت ہرگز یہ نہیں ہے۔ کیونکہ حجاج بن الاسود ثقہ ہے۔ ضعیف نہیں اور پھر اس نے کسی ثقہ یا ثقہ تر اور اوثق کی مخالفت بھی نہیں کی تو ان کی روایت اصول حدیث کے اعتبار سے کیونکر منکر ہوگئی؟ (تسکین الصدور ص ۲۲۶)

یہ عبارت علامہ ذہبی کے وہم کی دلیل کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ جہاں علامہ ذہبی کے وہم کی بات کی وہاں پہلے اس کی دلیل بھی بیان فرمائی ہے جب کہ دوسری جگہ لکھا ہے کہ بلا دلیل علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے وہم کی بات کون سنتا ہے۔ اب دلیل کے ساتھ اور بلا دلیل کا فرق اگر مؤلف موصوف کو نظر نہیں آیا تو یہ ان کی نظر کا قصور ہے۔ حقیقت کی دنیا میں کوئی اس کو تعارض سے تعبیر نہیں کر سکتا۔

دھوکہ نمبر ۱۲۶: {مولف موصوف کرتے ہیں کہ احسن الکلام اور تسکین الصدور کی عبارات میں تعارض ہے۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۲۳ کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ (تسکین الصدور ص ۳۱۸) کے حاشیہ میں امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اس قاعدہ کو لیا گیا ہے کہ جب کسی راوی سے دو راوی روایت کریں تو وہ مجہول نہیں رہتا اور احسن الکلام ص ۱۰۱ میں امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اس قاعدہ کی مخالفت کی گئی ہے اور لکھا گیا ہے کہ

جمہور تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی راوی سے دو راویوں نے روایت کی ہو اور اس کی توثیق کسی سے ثابت نہ ہو تو وہ مجہول اور مستور ہی رہتا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۷، ۲۴۸ ملخصا)

اگرچہ تسکین الصدور کی بعد کی طبع میں عبارت بدل دی گئی ہے اور مؤلف موصوف کو "الآخر فالآخر" کے قاعدہ کے مطابق بعد والی طبع کو پیش نظر رکھنا چاہئے تھا۔ مگر طبع اوّل والی عبارت کو بھی ملحوظ رکھ کر احسن الکلام کی عبارت کے ساتھ اس کا تعارض ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ تسکین الصدور میں عبدالرحمن ابن احمد الاعرج کو معروف بتانے کے لئے صرف امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے قاعدہ کا سہارا نہیں لیا گیا بلکہ ساتھ لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر اور امام سخاوی وغیرہ محدثین اس حدیث کی سند کو جید کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عبدالرحمن بن احمد الاعرج نہ تو مجہول العین ہیں اور نہ مجہول العدالت۔ (تسکین الصدور ص ۱۸۴ طبع اوّل)

اس لئے کہ مجہول راوی کی روایت جید نہیں ہوتی جب ان حضرات نے اس روایت کی سند کو جید کہا ہے تو اس کا مطلب واضح ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اس روایت میں کوئی راوی مجہول نہیں ہے۔ تسکین الصدور طبع اوّل میں صرف امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے قاعدہ کا سہارا نہیں لیا گیا۔ جب کہ احسن الکلام میں جن حضرات کو جواب دیا گیا ہے انہوں نے اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے مضبوط ترین سہارا امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے اسی قاعدہ کو ہی بنایا ہے اور ان دونوں باتوں میں فرق فن حدیث سے معمولی دسترس رکھنے والا بھی جان سکتا ہے۔

دھوکہ نمبر ۱۲۷: {مؤلف موصوف تسکین الصدور اور دل کا سرور کی عبارات میں تعارض کا دعویٰ کرتے ہیں۔}

مؤلف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں۔ تعارض نمبر ۲۴ اور اس کے تحت لکھتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے (تسکین الصدور ص ۳۴۷) میں لکھا کہ قاضی عیاض اپنے وقت میں علم حدیث اور اس کے فنون کے امام تھے۔ اگر یہ راوی محمد بن حمید رازی ہوتا جو کہ کذاب ہے تو وہ اس سے ہرگز احتجاج واستدلال نہ کرتے اور اس کے برخلاف (دل کا سرور ص ۱۸۳) میں اس روایت کو رد کیا جس کو قاضی عیاض نے بیان کیا ہے۔

مؤلف موصوف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اب مولانا صاحب کا وہ کلیہ کہاں گیا کہ قاضی عیاض کذاب سے احتجاج واستدلال ہرگز نہیں کرتے۔ حالانکہ مولانا صاحب خود (دل کا سرور ص ۱۸۵) میں حدیث اسماء مندرجہ درشفا قاضی عیاض کی تیسری سند میں راوی عمار بن مطر کے متعلق فرما رہے ہیں کہ وہ جھوٹ کہا کرتا تھا اور اس کی تمام حدیثیں باطل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود قاضی عیاض استدلال کر رہے ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۴۹ تا ۲۵۱ ملخصا)

بعینہٖ یہی اعتراض مؤلف موصوف پہلے بھی کر چکے ہیں۔ اس کا جواب دھوکا ۹۷ کے ضمن میں تفصیل سے دے دیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دل کا سرور میں رد شمس والی ذکر کردہ روایت میں قاضی عیاض نے امام طحاوی پر اعتماد کر کے اس روایت کو دلیل بنایا ہے۔ جب کہ تسکین الصدور میں جو روایت ذکر کی گئی ہے وہ قاضی عیاض نے از خود اپنے دعویٰ پر دلیل کے طور پر پیش کی ہے۔

اور اہل علم کے ہاں دونوں باتوں میں فرق ہے۔ حضرت مولانا صفدر صاحب نے یہ تو نہیں فرمایا کہ قاضی عیاض نے کسی کذاب راوی سے کوئی روایت کی ہی نہیں کہ مؤلف موصوف کذاب راوی کی روایت کو نقل کرنے کا معارضہ پیش کر کے طعن دیتے۔

دھوکہ نمبر ۱۲۸: {مولف موصوف فرماتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے ایک جگہ امام حاکم اور علامہ ذہبی کی تصحیح کا اعتبار کیا ہے اور دوسری جگہ اس کا رد کیا ہے۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور ساتویں دلیل کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ مسند احمد اور مستدرک کے حوالہ سے روایت نقل کر کے امام حاکم اور علامہ ذہبی کی تصحیح نقل کی ہے۔ حالانکہ احسن الکلام میں امام حاکم اور علامہ ذہبی کی تصحیح پر اعتراض کیا ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۵۱، ۲۵۲ ملخصاً)

یہی اعتراض مولف موصوف پہلے بھی اپنی اس کتاب کے ص ۱۳۸، ۱۳۹ میں کر چکے ہیں جس کا جواب ہم نے دھوکا نمبر ۶۷ کے ضمن میں ص ۱۴۸ پر دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات محدثین نے امام حاکم کی منفرد تصحیح اور علامہ ذہبی کی منفرد تصحیح پر تو اعتراض کیا ہے۔ مگر جب یہ دونوں حضرات اکٹھے کسی روایت کی تصحیح کریں تو حضرات محدثین کرام کے نزدیک اس کا اعتبار ہوتا ہے۔ احسن الکلام میں امام حاکم کی منفرد تصحیح اور علامہ ذہبی کی منفرد تصحیح کے بارہ میں کہا گیا ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی انفرادی تصحیح محل نظر ہو سکتی ہے۔ جب کہ تسکین الصدور میں جو روایت ہے اس کی تصحیح دونوں سے اکٹھے ہے جس کی حیثیت ان سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت سے علیحدہ ہے۔ انفرادی اور مجموعی تصحیح میں فرق نہ کر کے تعارض کا دعویٰ فن حدیث سے لاعلمی کی دلیل ہے۔

دھوکہ نمبر ۱۲۹: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب نے ساتویں دلیل کی اسناد کا مطلق ذکر نہیں کیا۔}

مولف آئینہ تسکین الصدور لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب کی تلبیس لطیف ملاحظہ فرمایئے کہ آپ نے ساتویں دلیل مندرجہ تسکین الصدور طبع دوم ص ۳۲۹ اور طبع اوّل ص ۱۹۱ کے متعلق مطلقاً اسناد کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ مولانا صاحب کو معلوم تھا کہ اس کی سند ذکر کرنے میں میرا بھانڈ چوراہے پر پھوٹ جائے گا اور کیا کرایا سب خاک میں مل جائے گا۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۵۲)

یہی اعتراض مولف موصوف پہلے بھی کر چکے ہیں جس کا جواب ہم نے دھوکا نمبر ۶۶، ۶۷، ۶۸ کے ضمن میں دے دیا ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ یہ تو تسکین الصدور اور آئینہ تسکین الصدور دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنے والا آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ تلبیس مولانا صفدر صاحب نے کی ہے یا کہ تلبیس مؤلف آئینہ تسکین الصدور نے کی ہے۔

جب مولانا صفدر نے اصل دلیل الجامع الصغیر مسند ابی یعلی اور مجمع الزوائد کو بنایا ہے اور مسند ابی یعلی کی سند کے بارہ میں ذکر کر دیا ہے کہ ''رجالہ رجال الصحیح'' اور الجامع الصغیر کی روایت کے بارہ میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ''صحیح'' کہنا نقل کیا ہے تو کیا تلبیس نہیں کہ کہا جائے کہ ساتویں دلیل کی مطلق اسناد کا ذکر نہیں کیا اور مستدرک کی روایت جس میں محمد بن اسحاق ہے وہ تو بطور شاہد ذکر کی گئی ہے۔ کیا یہ تلبیس نہیں کہ شاہد کو لے کر اعتراض کیا جائے اور اصل دلیل جس کو بنایا گیا اس سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔

دھوکہ نمبر ۱۳۰: {مولف موصوف اعتراض کرتے ہیں کہ محمد بن اسحاق والی سند سے روایت کیوں پیش کی؟}

آخر کتاب تک مولف آئینہ تسکین الصدور نے محمد بن اسحاق کے بارہ میں اقوال نقل کئے کہ یہ حجت نہیں۔ اس سے احتجاج صحیح نہیں۔ حفاظ حدیث ابن اسحاق کے تفردات سے گریز کرتے ہیں۔ جب ابن اسحاق متفرد ہوتو اس کی حدیث حجت نہیں۔ ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ جو راوی صحیح شرطوں کے مطابق نہیں ان میں سے ایک محمد بن اسحاق بھی ہے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ ابن اسحاق کی روایت درجہ صحت سے گری ہوئی ہے اور حلال وحرام میں اس سے احتجاج درست نہیں ہے۔ ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد مولف موصوف لکھتے ہیں۔ راقم الحروف شیر محمد کہتا ہے کہ مولانا صاحب محمد بن اسحاق کی حدیث میں بہت بڑے تعارض کا شکار ہوئے ہیں۔ کیونکہ ایک طرف تو محمد بن اسحاق کی حدیث کو بالکل حجت نہیں سمجھتے اور سخت کڑی جرح کرتے ہیں اور دوسری طرف اسی محمد بن اسحاق کی حدیث کو عقیدہ کی دلیل بناتے ہیں۔ (آئینہ تسکین الصدور ص ۲۵۳ تا ۲۵۷ ملخصا)

اگر مولف موصوف کی آنکھیں تعصب کی وجہ سے بند ہیں اور وہ تسکین الصدور کا مطالعہ کھلی آنکھوں سے نہیں کر سکے تو باقی حضرات کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ دیکھیں کہ تسکین الصدور میں کہیں بھی محمد بن اسحاق کی روایت کو حجت نہیں بنایا گیا بلکہ حجت دیگر روایات کو بنایا گیا ہے اور محمد بن اسحاق کی روایت کو شاہد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور شاہد کے طور پر ضعیف راوی کی ضعیف روایت کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ شاہد کے لئے ضروری نہیں کہ وہ حجت کے قابل ہو۔ مولوی شیر محمد صاحب کا بطور شاہد پیش کی جانے والی روایت کو حجت کا نام دینا سراسر دھوکا یا فن حدیث کی اصطلاحات سے ناواقفیت کی واضح دلیل ہے۔

آخر میں گزارش

ہماری قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ تسکین الصدور کا بنظر انصاف مطالعہ کریں اور پھر آئینہ تسکین الصدور کا مطالعہ بھی ضرور کریں اور اس کے بعد آئینہ تسکین الصدور پر ہمارا تبصرہ ''اظہار الغرور فی کتاب آئینہ تسکین الصدور'' ملاحظہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ العزیز! معترض صاحب کی دھوکہ بازیاں چمکتے ہوئے سورج کی طرح واضح ہوتی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اکابر، سلف صالحین کے دامن سے وابستہ رکھے اور تعصب اور تحزب کا مظاہرہ کرتے ہوئے اکابر کے خلاف انفرادی آراء قائم کرنے سے محفوظ رکھے اور تسکین الصدور کے مصنف اور اس پر تصدیقات لکھنے والوں میں سے جو حضرات زندہ ہیں اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے اور جو وفات پا چکے ہیں ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے مشن کو قائم رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ

وازواجہ واتباعہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین!

حافظ عبدالقدوس خان قارن

مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

عقیدہ شیخ القرآن

فی الحیات بعد الوفات لسید الانس والجان
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اصحابہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا

مرتبہ: بقیۃ السلف

حضرت مولانا محمد عبدالمعبود رحمۃ اللہ علیہ